The Five People You Meet in Heaven
International Bestseller
(ناول)
جنت میں
پانچ لوگوں سے ملاقات
مچ البوم
ترجمہ: ایم اختر

جنت میں پانچ لوگوں سے ملاقات

(ناول)

مچ البوم

ترجمہ: ایم اختر

An Urdu Translation of

"The Five People You Meet in Heaven"

by: Mitch Albom

نام کتاب	:	جنت میں پانچ لوگوں سے ملاقات
مصنف	:	مچ البوم
ترجمہ	:	ایم اختر
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	[illegible] شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت	:	2016ء
قیمت	:	-/400روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68-مزنگ روڈ لاہور،فون:042-36307550-1,37249218-37237430

فکشن ہاؤس:52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد،فون:022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر،فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی،فون:021-32603056

●لاہور● کراچی●حیدرآباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

میں اس کتاب کو اپنے پیارے انکل ایڈورڈ بیچ مین سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے مجھے جنت کا پہلا تصور دیا۔ ہر سال تھینکس گیونگ (Thanksgiving) کی میز کے گرد وہ ہسپتال کی اس رات کا قصہ بیان کرتے کہ کس طرح اس رات جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے اپنے پیاروں کی ارواح کو دیکھا جوان کے بستر کے کنارے پر بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ میں اس کہانی کو کبھی بھول نہیں سکا اور نہ ہی انکل ایڈورڈ کو کبھی بھولا۔

جنت کے حوالے سے ہر ایک کا اپنا تصور ہے۔ ہر مذہب کا بھی اس کے حوالے سے الگ الگ تصور ہے اور ان سب کا احترام کیا جانا چاہیے۔ یہاں پر جنت کا جو تصور دیا گیا ہے وہ محض ایک خیال اور کسی حد تک ایک خواہش ہے کہ میرے انکل اور ان کی طرح دوسرے لوگ جو زمین پر خود کو غیر اہم سمجھتے رہے تھے، آخر ان کو جواب مل جاتا ہے کہ وہ کس قدر اہم تھے اور انہیں کس قدر پیار کیا گیا تھا۔

اظہار تشکر

مصنف ایمیوزمنٹ آف امریکہ کے ونی کورسی اور سانتا مونیکا پائیر کے پیسیفک پارک کے ڈائریکٹر آف آپریشن ڈانا وائن کا شکر گزار ہے جنہوں نے اس ناول کے لیے تحقیق میں اپنی بھرپور مدد فراہم کی۔ پارکوں میں آنے والوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ان کا جذبہ قابل ستائش ہے۔ جنگ کے دوران لگنے والے زخموں کے حوالے سے معلومات کی فراہمی پر ہنری فورڈ ہسپتال کے ڈیوڈ کولن کا بھی شکریہ، اس کے لیے علاوہ کیری الیگزینڈر کا بھی شکریہ جنہوں نے ہر معاملے میں پرخلوص مدد فراہم کی۔ بوب ملر، ایلن آرچر، مائیکل برکن، ول شوابی، لیز لی ویلز، جین کومنز، کیٹی لونگ اور فل روز کا بھی شکریہ جنہوں نے مجھ میں بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔

ایجنٹ اور مصنف کے تعلق کے حوالے سے ڈیوڈ بلیک کا شکریہ، جینائن کا شکریہ جنہوں نے ناول کی کہانی کو سنا اور پھر کئی مرتبہ باآواز بلند پڑھا۔ رہوڈا ایرا، کارا اور پیٹر کا بھی شکریہ جن کے ساتھ میں نے پہلی بار آسمانی جھولے کی سیر کی۔ اصلی ایڈی کا شکریہ، جو میرے انکل تھے جنہوں نے مجھے اپنی کہانیاں سنائیں اور جس کے بعد میں اپنی کہانی بیان کرنے کے قابل ہوا۔

ترتیب

ختم شد

یہ کہانی ایڈی (Eddie) نامی ایک شخص کی ہے اور اس کا آغاز اختتام سے ہوتا ہے جب وہ کڑی دھوپ میں دم توڑ رہا ہے۔ یہ عجیب دکھائی دیتا ہے کہ کوئی کہانی اختتام کے ساتھ شروع ہو۔لیکن تمام اختتام آغاز بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف اس وقت پتہ نہیں ہوتا۔

زیادہ تر دیگر لوگوں کی طرح ایڈی کی زندگی کا آخری گھنٹہ صرف ہو چکا تھا۔

یہ ''روبی پائیر'' نامی ایک تفریحی پارک تھا جو ایک عظیم سرمئی سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ ('پائیر' ساحل سمندر پر واقع تفریح گاہ کو کہا جاتا ہے جس کا ایک بڑا حصہ سمندر کے اندر بھی دخیل ہوتا ہے تاہم ناول میں ہم اسے روبی پائیر کے بجائے 'روبی پارک' کہیں گے۔مترجم) اس پارک میں کئی معمول کی دلچسپ چیزیں تھیں جن میں بورڈ واک، آسمانی جھولا، رولر کوسٹر، بمپر کاریں اور ہسپانوی پراٹھوں کا ایک سٹال نمایاں تھیں۔اس کے علاوہ ایک آرکیڈ بھی تھا جہاں آپ پانی کی دھار کو ایک جوکر کے منہ میں پھینک سکتے تھے۔ یہاں پر ایک نیا جھولا بھی آ چکا تھا جس کا نام ''فریڈی فری فال'' تھا اور یہی وہ جھولا تھا جس کی وجہ سے ایڈی کی موت واقع ہوئی تھی اور جس کی خبریں ریاست بھر کے اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔

اپنی موت کے وقت ایڈی سفید بالوں والا ایک باوقار بوڑھا تھا۔اس کی گردن چھوٹی، سینہ چوڑا، بازو بھرے بھرے تھے جبکہ اس کے دائیں کاندھے پر آرمی کا ایک مدھم ہو چکا ٹیٹو بھی تھا۔اس کی ٹانگیں پتلی اور رگوں سے بھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں جبکہ اس کا بایاں گھٹنا جو جنگ کے دوران زخمی ہو چکا تھا، اب گٹھیا کی بیماری سے بالکل برباد ہو چکا تھا۔وہ چلتے ہوئے ایک چھڑی استعمال کرتا تھا۔اس

کا چہرہ بڑا اور سورج کی تمازت سے پکا ہوا تھا اور جبڑا تھوڑا نیچے کو گرا ہوا تھا جس سے وہ ایک پُرفخر آدمی دکھائی دیتا تھا۔ وہ اپنے بائیں کان کے ساتھ ایک سگریٹ پھنسائے رکھتا جبکہ بیلٹ کے ساتھ چابیوں کا ایک گچھا لٹکا ہوتا۔ وہ ربڑ سول کے جوتے پہنتا۔ وہ میلی بھوری یونیفارم میں ایک محنت کش دکھائی دیتا اور وہ ایک محنت کش ہی تھا۔

ایڈی کی ذمہ داری پارک میں موجود جھولوں کی دیکھ بھال اور مرمت تھی تا کہ ان کو محفوظ رکھا جا سکے۔ وہ ہر دوپہر کو پارک میں ایک راؤنڈ لگاتا اور ہر جھولے کا معائنہ کرتا۔ وہ جھولوں کا معائنہ کرتے ہوئے یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ ان میں سے کسی کا بورڈ ٹوٹا ہوا تو نہیں، کوئی بولٹ ڈھیلا تو نہیں یا کہیں پر لوہا زنگ آلود ہو کر گل تو نہیں گیا۔ بعض اوقات وہ رک جاتا اور کچھ دیکھنے لگتا تو اس کے آس پاس سے گذرنے والے لوگ سوچنے لگتے کہ شاید کوئی گڑبڑ ہے لیکن وہ تو بس یونہی کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہوتا تھا۔ اس کا یقین تھا کہ اتنے سالوں کے تجربے کے بعد وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ گڑبڑ یا خرابی کو ''سُن'' سکے۔ وہ جھولوں کی کھٹ کھٹ، چوں چاں، کٹ کٹ اور کل پرزوں کی دھمک اور کھنک سے ہی خرابی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

زمین پر اس کے پاس پچاس منٹ رہ گئے تھے۔

ایڈی نے پارک کا ایک آخری چکر لگایا۔ وہ ایک بوڑھے جوڑے کے پاس سے گذرا۔

''جناب!'' وہ اپنی کیپ کو چھوتے ہوئے بولا۔

انہوں نے نرمی سے سر ہلایا۔ گاہک ایڈی سے واقف تھے بالخصوص جو تواتر کے ساتھ آنے والے تھے۔ وہ ہر گرمیوں کے موسم میں اسے دیکھتے تھے۔ وہ روبی پائیر پارک اور ایڈی کے چہرے کو ایک دوسرے سے منسلک کر چکے تھے۔ اس کی قمیض پر موجود ایک پٹی پر جلی حروف میں ''ایڈی'' اور اس کے نیچے ''مین ٹین نس'' (Maintenance) لکھا ہوا تھا چنانچہ کچھ لوگ بعض اوقات اسے ''ایڈی مین ٹین نس'' بھی پکار لیا کرتے تھے تاہم اس کے لیے یہ کوئی اتنی فخر کی بات نہیں ہوا کرتی تھی۔

آج ایڈی کا جنم دن تھا۔ یہ اس کی تراسی ویں سالگرہ تھی۔ ایک ڈاکٹر نے اسے پچھلے ہفتے ہی بتایا تھا کہ اسے جوڑوں کی بیماری ہو چکی تھی۔ ایڈی کو بالکل معلوم نہ تھا کہ یہ کس بلا کا نام ہے۔ کسی زمانے میں وہ اتنا طاقتور تھا کہ لکڑی کے دو گھوڑوں کو ہاتھوں میں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن یہ اب بہت پرانی بات

ہو چکی تھی۔

''ایڈی، مجھے پکڑو۔۔۔ایڈی، مجھے پکڑو۔۔۔''

اس کی موت میں صرف چالیس منٹ رہ گئے تھے۔ایڈی رولر کوسٹر کی قطار کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک مرتبہ ہر جھولے کی سواری ضرور کرتا تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ ان کی بریکیں اور سٹیرنگ درست رہیں۔آج ''گھوسٹر کوسٹر''(Ghoster Coaster) کی باری تھی۔ چنانچہ جب بچے گھوسٹر کوسٹر میں بیٹھنے لگے تو وہ ایڈی کو اس میں دیکھ کر نعرے لگانے لگے۔

بچے ایڈی کو پسند کرتے تھے، نوعمر لڑکے نہیں۔نوعمر لڑکے تو اس کے لیے ایک سر درد ہوتے تھے۔سالوں کے تجربے کے بعد ایڈی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نوعمر لڑکوں کو دوسروں کو ستانے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔لیکن کچھ بچے مختلف تھے۔ بچے ہمیشہ ایڈی کو غور سے دیکھتے تھے جو اپنے جھکے ہوئے نچلے جبڑے کے باعث یوں لگتا کہ جیسے کوئی ڈولفن مسکرا رہی ہو۔ وہ اس پر اعتماد کرتے۔ وہ اس کے قریب یوں آتے تھے جیسے ٹھنڈے ہاتھوں کو آگ کے سامنے لایا جاتا ہے۔ایڈی محض خرخرا کر رہ جاتا تھا اور کم ہی منہ سے کچھ بولتا۔ایڈی کا خیال تھا کہ چونکہ وہ انہیں کچھ نہیں کہتا تھا، اس لیے وہ اسے پسند کرتے تھے۔

اب ایڈی نے بیس بال کی ٹوپی کے پچھلے حصے سے دو کم سن لڑکوں کو تھپکی دی۔وہ تیزی سے جھولے کی طرف بھاگے اور گر پڑے۔ایڈی نے اپنی چھڑی جھولے کے نگران کو دی اور خود کو دونوں لڑکوں کے درمیان جھکایا۔

''ہم جا رہے ہیں۔۔۔ہم جا رہے ہیں۔۔۔'' ایک لڑکا چلایا۔دوسرے لڑکے نے ایڈی کے بازو کو اس کے کندھے کی طرف کھینچا۔ایڈی نے رکاوٹ کو نیچے کیا اور ٹھک ٹھک کرتا اوپر چلا گیا۔

ایڈی کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جب وہ کم عمر تھا اور جھولوں والے اس پارک کے قریب ہی رہتا تھا تو اس نے ایک لڑائی بھی لڑی تھی۔پٹکن ایونیو کے پانچ بچوں نے اس کے بھائی جو کو گھیر لیا تھا اور وہ اس کی پٹائی کرنیوالے تھے۔ایڈی اس وقت کچھ فاصلے پر تھا اور سینڈوچ کھا رہا تھا۔اس نے اپنے بھائی کی چیخ سنی تو اس کی مدد کے لیے دوڑا۔اس نے ایک کوڑے دان کا لوہے کا ڈھکنا اٹھایا اور لڑکوں کو مارا۔دو لڑکے تو ہسپتال پہنچ گئے۔

اس کے بعد جو نے کئی ماہ اس سے بات نہ کی۔وہ شرمندہ تھا۔جو اس سے عمر میں بڑا تھا لیکن

ایڈی نے چھوٹا ہونے کے باوجود اسے بچایا تھا۔

''کیا ہم دوبارہ جاسکتے ہیں؟ ایڈی پلیز۔''

اس کی زندگی کے صرف چونتیس منٹ رہ گئے تھے۔ایڈی نے رکاوٹی بار اٹھایا۔ ہر لڑکے کو چوسنے والی کینڈی دی، چھڑی واپس لی اور لنگڑاتا ہوا مرمتی ورکشاپ کی طرف چلا گیا تا کہ خود کو تیز دھوپ اور گرمی کے خلاف راحت دے سکے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ اس کی موت یقینی تھی تو وہ شاید کہیں اور چلا جاتا۔لیکن اس نے وہی کیا جو ہم سب کرتے ہیں۔ وہ اپنی معمول کی ٹامک ٹوئیوں میں مشغول رہا جیسے ابھی ساری زندگی پڑی ہو۔ورکشاپ کے ایک کارکن جو لمبا اور استخوانی چہرے والا ڈومینگز تھا، سنک کے پاس کھڑا ایک پہیے کی گریس کو صاف کر رہا تھا۔

''ہائے ایڈی۔۔۔''وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''ہائے ڈوم۔۔۔''ایڈی نے جواب دیا۔

ورکشاپ میں سے لکڑی کے برادے جیسی بو آرہی تھی۔ وہاں پر اندھیرا تھا اور نیچی چھت کی وجہ سے نمی تھی اور لکڑی کی دیواریں تھیں جن میں مختلف اوزار، ڈرلز، آریاں اور ہتھوڑے وغیرہ لٹکے ہوئے تھے۔ پارک کے جھولوں کے مختلف اجزاء ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے جیسے کمپریسر، انجن، بیلٹیں، بلب اور قزاق کے سر کا حصہ وغیرہ۔ دیوار کے ساتھ کافی کے خالی ڈبوں میں کیلیں اور پیچ وغیرہ رکھے تھے جبکہ دوسری دیوار کے ساتھ گریس کے بے شمار ڈبے وغیرہ پڑے تھے۔

ایک ٹریک پر گریس لگاتے ہوئے ایڈی کہتا کہ یہ کام کرتے ہوئے اتنا ہی دماغ استعمال کرنا پڑتا ہے جتنا کہ برتن دھونے میں لگتا ہے۔فرق صرف یہ تھا کہ اس میں آپ زیادہ گندے ہو جاتے ہیں۔۔۔اور ایڈی اسی قسم کا کام کرتا تھا۔وہ گریس لگاتا۔ بریکیں ٹھیک کرتا۔ بولٹ کستا۔الیکٹریکل پینل چیک کرتا۔کئی مرتبہ وہ سوچتا کہ وہ وہاں سے چلا جائے اور کوئی اور کام تلاش کرے۔ کسی اور طرح کی زندگی گذارے لیکن پھر جنگ شروع ہو گئی۔اس کا منصوبہ کبھی مکمل نہ ہوا۔آخر اس نے خود کو عمر کے اس حصے میں پایا جب اس کے بال سرمئی سفید ہو چکے تھے اور اس کے جسم پر ایک ڈھیلی یونیفارم تھی اور وہ خستہ حالت میں تھا۔اس نے سوچا کہ وہ ایسا ہی تھا اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا یعنی ایک ایسا شخص جس کے جوتوں میں ریت بھری تھی اور جو ہر وقت مشینوں کی دنیا میں رہتا تھا۔اس کے باپ کی طرح اس کی

قمیض پر بھی ''مین ٹین ننس'' لکھا تھا اور وہ اس شعبے کا سربراہ تھا۔ بچے بعض اوقات اسے ''روبی پائیر کا جھولوں والا آدمی'' بھی پکارتے تھے۔

نصف گھنٹہ رہ گیا تھا۔

'اے، سالگرہ کا دن مبارک۔۔۔ میں نے سنا ہے۔۔۔'' ڈومینگز کہہ رہا تھا۔

ایڈی خرخرایا۔

''کوئی پارٹی نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔''

ایڈی نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ کسی ایسی جگہ بوڑھا ہونا بھی کتنا عجیب لگتا ہے جہاں ہر وقت کاٹن کینڈیز کی خوشبو پھیلی رہتی ہو۔

''اچھا، ایڈی یاد آیا کہ میں اگلے ہفتے چھٹی پر جا رہا ہوں۔ اس پیر سے میری چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں۔ میں میکسیکو جا رہا ہوں۔''

ایڈی نے سر ہلایا جبکہ ڈومینگز خوشی سے ناچنے لگا۔

''میں تھیریسا۔۔۔ پورے خاندان سے ملاقات ہوگی۔۔۔ پارٹی ہوگی۔۔۔ خوب ہلا گلا کریں گے۔''

اس نے جب دیکھا کہ ایڈی اسے گھور رہا ہے تو وہ رک گیا۔

''تم کبھی گئے ہو؟''

''کہاں؟''

''میکسیکو۔''

ایڈی نے ناک سے سوں کی آواز نکالی۔ ''بچے، میں بندوق کے بغیر کبھی کہیں نہیں گیا۔''

وہ چاہتا تھا کہ ڈومینگز دوبارہ سنک کی طرف چلا جائے۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور ان میں بیس بیس کے دو نوٹ نکال کر ڈومینگز کی طرف بڑھائے۔

''اپنی بیوی کو کسی اچھی جگہ لے جانا۔'' وہ بولا۔

ڈومینگز جو پیسوں کی عزت کرتا تھا، بھرپور طریقے سے مسکرایا اور بولا۔ ''کیا واقعی؟''

ایڈی نے پیسے اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔ وہ واپس سٹوریج میں آ گیا۔ وہاں پر بورڈ واک میں

چھوٹا سا فشنگ ہول کافی سالوں پہلے بنایا گیا تھا، ایڈی نے اس کا پلاسٹک کا ڈھکنا اٹھا۔ اس نے نائیلون کی ایک ڈوری کو سمندر میں اسی فٹ تک گرادیا۔ ڈوری کے ساتھ چارہ ابھی تک لگا ہوا تھا۔

''کیا کچھ ہاتھ آیا؟'' ڈومیننگز چلایا۔ ''مجھے بتاؤ کچھ ہاتھ آیا کہ نہیں؟''

ایڈی کو تعجب ہوا کہ وہ لڑکا آخر اتنی توقعات کیوں باندھتا تھا۔ وہاں پر سے کبھی کوئی مچھلی ہاتھ نہیں آئی تھی۔

''ایک دن۔۔۔'' ڈومیننگز پھر چلایا۔ ''ہم بہت بڑی مچھلی پکڑیں گے۔''

''بالکل۔۔۔'' ایڈی بڑبڑایا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اتنے چھوٹے سوراخ میں سے اتنی بڑی مچھلی کبھی نہیں پکڑی جاسکتی۔

صرف چھبیس منٹ رہ گئے تھے۔

ایڈی بورڈ واک کو پار کرتا ہوا جنوبی سرے کی طرف چلا گیا۔ کاروبار مندا تھا۔ پراٹھوں کے سٹال والی لڑکی اپنے گھٹنوں پر جھکی ہوئی تھی اور چیونگم پھلا رہی تھی۔

کسی زمانے میں روبی پائیر پارک گرمیوں کی تفریح کے لیے بہت موزوں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں پر ہاتھی ہوا کرتے تھے۔ آتشبازی اور میراتھن ڈانس کے مقابلے ہوتے تھے۔ لیکن اب لوگ اس طرح کے سمندری ساحلی پارکوں میں زیادہ نہیں آتے تھے۔ اس کے بجائے وہ ایسے تھیم پارکوں میں جاتے تھے جہاں آپ پچھتر ڈالر کا ٹکٹ لیکر داخل ہوتے ہیں اور کسی عظیم الشان اور دیومالائی کردار کے ساتھ تصویر بنواتے ہیں۔

ایڈی لنگڑاتا ہوا بمپر کاروں کے پاس سے گذرا اور نوعمر بچوں کے گروپ کی جانب دیکھنے لگا جو ایک جنگلے کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے۔

یہ یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟ ایڈی نے خودکلامی کی۔

''یہاں سے ہٹ جاؤ۔'' وہ جنگلے کو اپنی چھڑی سے بجاتے ہوئے ان سے مخاطب ہوا۔ ''دیکھو یہ محفوظ نہیں ہے۔''

نوعمر بچوں نے اس کی جانب سے دیکھا۔ کاروں کے کھمبے بجلی کے کرنٹ سے کرڑ کرڑ کی آوازیں نکالنے لگے۔

''یہ محفوظ نہیں ہے۔'' ایڈی نے جملہ دہرایا۔

بچوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ ایک بچہ جس نے مالٹے رنگ کی کیپ پہنی ہوئی تھی، چڑانے والے انداز میں ایڈی کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر وہ جنگلے کے درمیان میں آ گیا۔

''آؤ دوست، مجھے مارو۔۔۔ مجھے مارو۔۔۔''

ایڈی نے جنگلے پر اس زور سے چھڑی ماری کہ جیسے اسے توڑ ہی دے گا۔

''ہٹو یہاں سے۔۔۔'' وہ چلایا۔

بچوں نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔

ایڈی کے بارے میں ایک اور کہانی بھی مشہور تھی۔ ایک فوجی کے طور پر وہ کئی جنگی لڑائیوں میں حصہ لے چکا تھا۔ وہ بہت بہادر تھا اور متعدد اعزازی تمغے بھی حاصل کر چکا تھا۔ تاہم فوج میں اپنی ملازمت کے اختتام پر اس کی اپنے ہی ساتھیوں میں سے ایک سے لڑائی ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے وہ زخمی بھی ہوا تھا۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ دوسرے شخص کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

کسی نے کبھی اس بارے میں نہیں پوچھا۔

صرف انیس منٹ رہ گئے تھے۔

ایڈی آخری بار ساحل پر لگی ایلومینیم کی پرانی کرسی پر بیٹھا۔ اس نے اپنے گٹھے ہوئے پٹھے دار بازو اپنے سینے کے ساتھ اس طرح تہہ بند کیے ہوئے تھے جیسے سیل نے اپنے چپو بازو لپیٹ رکھے ہوں۔ سورج کی روشنی سے اس کی ٹانگیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے بائیں گھٹنے پر اب بھی زخموں کے نشانات واضح تھے۔ سچ تو یہ تھا کہ ایڈی کا سارا بدن اس بات کی عکاسی کرتا تھا کہ اس نے ایک سخت اور جدوجہد سے بھرپور زندگی گذاری تھی۔ اس کی انگلیاں مختلف زاویوں میں عجیب طریقے سے مڑی ہوئی تھیں جو ان فریکچرز کی وجہ سے تھا جو کہ اسے طرح طرح کی مشینوں پر کام کرتے ہوئے آئے تھے۔ لڑائی جھگڑوں کے دوران اس کی ناک کی ہڈی بھی کئی مرتبہ ٹوٹ چکی تھی۔ اس کا چوڑا استخوانی چہرہ کسی زمانے میں خوبصورت رہا ہو گا اور یوں تھا جیسے کسی باکسر یا جنگجو کا چہرہ جس پر گھونسوں اور ضربوں کے آثار واضح محسوس ہوتے تھے اور اس کے چہرے کو پر رعب بناتے تھے۔

اس وقت ایڈی تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ روبی پائیر پارک کے بورڈ واک کے ایریا میں یہ اس کی مخصوص جگہ تھی جہاں وہ اکثر بیٹھتا تھا۔ یہ جگہ مقبول جھولے 'جیک ریبٹ' کے عقب میں واقع تھی۔ یہ جھولا انیس سو اسی کی دہائی میں ''تھنڈر بولٹ'' کہلاتا تھا جبکہ انیس سو ستر کی دہائی میں اسے ''سٹیل ایل''، انیس سو ساٹھ کے عشرے میں ''لاف ان داڈارک'' اور اس سے بھی بہت پہلے اسے ''سٹارڈسٹ بینڈ شیل'' کہا جاتا تھا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں ایڈی کی مارگریٹ سے ملاقات ہوئی تھی۔

ہر انسان کو زندگی میں ایک بار تو سچا پیار ضرور ہوتا ہے۔ ایڈی کی زندگی میں یہ لمحہ ستمبر کی ایک گرم رات کو طوفان کے بعد آیا تھا جب بورڈ واک پانی کے جھاگ میں چھپ گیا تھا۔ اس نے کاٹن کا پیلا لباس زیب تن کر رکھا تھا جبکہ بالوں میں گلابی رنگ کے ربن تھے۔ ایڈی نے اس سے زیادہ بات نہ کی۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی زبان اس کے دانتوں سے چپک گئی ہو۔ انہوں نے مشہور بینڈ کے گانوں کی دھن پر رقص کیا اور خوب ہلا گلا کیا۔ اس نے اسے ایک لیمن جوس بھی لے کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے والدین کے پاس جارہی ہے کیونکہ وہ ناراض ہو سکتے تھے۔ لیکن جب وہ واپس جارہی تھی تو اس نے ایک لمحے کے لیے اسے مڑ کر دیکھا اور اپنا ہاتھ ہلایا۔

یہی وہ مخصوص لمحہ تھا جب انسانوں کو سچا پیار محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنی تمام زندگی میں اس نے جب بھی مارگریٹ کے بارے میں سوچا تو یہ لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ یعنی وہ اس کی جانب ہاتھ لہرا رہی ہے۔ اس کے گھنے سیاہ بالوں کی ایک لٹ اس کی آنکھوں کے سامنے آرہی ہے اور وہ سچے پیار کا وہی جذبہ محسوس کرتا۔

اس رات وہ گھر آیا تو اس نے اپنے بڑے بھائی کو جگایا۔ اس نے اسے بتایا کہ اسے اپنے خوابوں کی شہزادی مل گئی ہے اور وہ اسی سے شادی کرے گا۔

''جا کر سو جاؤ، ایڈی۔'' اس کے بھائی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

شپ شپ شاں۔۔۔ ایک لہر ساحل سے ٹکرائی۔ ایڈی کو کھانسی آئی اور کچھ ایسا دکھائی دیا جو وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

شپ شپ شاں۔۔۔ وہ مارگریٹ کے بارے میں بہت سوچا کرتا تھا۔ اب اس قدر نہیں۔ وہ

کسی ایسے زخم کی مانند تھی جو ایک پرانی پٹی کے نیچے تھا۔۔۔اور وہ اس پٹی کا عادی ہو چکا تھا۔

شپ شپ شاں۔۔۔

جوڑوں کا درد کیا تھا؟

شپ شپ شاں۔۔۔

زندگی کے صرف سولہ منٹ رہ گئے تھے۔

کوئی کہانی خود بخود نہیں بنتی۔بعض کہانیاں راہوں میں ملتی ہیں اور بعض اوقات انہوں نے ایک دوسرے کو مکمل طور پر چھپا رکھا ہوتا ہے، بالکل ایسے جیسے دریا کی تہہ میں پتھر چھپے ہوتے ہیں۔

ایڈی کی کہانی کا اختتام ایک بظاہر بے ضرری دوسری کہانی سے چھوتا ہے جب کئی ماہ پہلے بادل چھائے ہوئے تھے اور ایک لاابالی نوجوان اپنے تین دوستوں کے ساتھ روبی پائیر پارک آیا تھا۔ وہ خاصا لاپرواتھا۔

اس نوجوان کا نام نکی تھا اور اس نے ابھی حال ہی میں ڈرائیونگ سیکھی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی گاڑی کی چابیاں سنبھال کر رکھنے کا عادی نہیں تھا۔چنانچہ اس نے اپنی کار کی واحد چابی کو نکالا اور جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال لیا۔اس کے بعد اس نے جیکٹ کو اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔

اگلے کئی گھنٹوں تک وہ اور اس کے دوست جھولوں سے لطف اندوز ہوتے رہے، وہ ہر جھولے میں بیٹھے۔فلائنگ فالکن، سپلیش ڈاؤن، فریڈی فری فال، گھوسٹر کوسٹر، انہوں نے کوئی جھولا نہ چھوڑا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ" ان میں سے ایک چلایا۔

انہوں نے اپنے ہاتھوں کو ہوا میں بلند کر لیا۔

جب شام ہوئی تو وہ کار پارکنگ کی طرف بڑھے۔تھکے ہونے کے باوجود وہ قہقہے لگا رہے تھے۔ بیئر پی رہے تھے۔نکی نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ گھمایا۔ وہ جھلاہٹ میں بڑبڑانے لگا۔

چابیاں گر چکی تھیں۔

اس کی موت میں صرف چودہ منٹ رہ گئے تھے۔

ایڈی نے اپنے ماتھے کو رومال سے صاف کیا۔سمندر کی سطح پر سورج کی روشنی ہیروں کی طرح چمک رہی تھی اور ایڈی ان کی ست حرکات کو غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ جنگ کے بعد سے وہ اپنی دائیں ٹانگ پر زیادہ وزن نہیں ڈال سکتا تھا۔

اسے مارگریٹ کے ساتھ اپنی ابتدائی ملاقات یاد آ رہی تھی جب ایڈی خاصا خوبرو ہوا کرتا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور وہ نغمہ اپنے ذہن میں دہرانے لگا جو انہوں نے اس وقت سنا تھا۔ یہ اس فلم میں جوڈی گارلینڈ کا نغمہ تھا جو اس وقت آس پاس کے شور شرابے، سمندر کی لہروں کے تلاطم اور جھولوں سے لطف اندوز ہوتے بچوں کی چیخ و پکار کے ساتھ اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔

"تم نے مجھے اپنا عاشق بنایا۔"

شڑشڑ۔۔۔شڑشڑ۔۔۔شڑاپ۔۔۔

"تم نے مجھے اپنا عاشق بنایا۔"

شڑشڑ۔۔۔شڑشڑ۔۔۔شڑاپ۔۔۔

"کرو مجھ سے۔۔۔میں یہ محبت نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔"

شڑاپ،شڑاپ،شڑاپ۔۔۔

"میں تم سے پیار کروں۔۔۔"

ای ی ی ی ی ی۔۔۔

"تم یہ جانتے تھے۔۔۔اور سب۔۔۔"

شاں شاں شاں۔۔۔شڑاپ۔۔۔

"جانتے تھے۔۔۔"

ایڈی کو اس کا ہاتھ اپنے شانوں پر محسوس ہوا۔اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں تاکہ ان یادوں کو اور قریب لا سکے اور اپنے اندر جذب کر سکے۔

زندگی کے بارہ منٹ رہ گئے تھے۔

"ایکسیوزمی۔"

ایک کمسن لڑکی جو شاید آٹھ سال کی ہوگی اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس نے اس کی دھوپ بھی

روک لی تھی۔اس کے بال سنہرے اور گھنگریالے تھے اور اس نے ڈینم کے شارٹس پہن رکھے تھے جبکہ بالائی بدن پر ہلکی سبز ٹی شرٹ تھی جس کے سامنے کارٹون بطخ کی تصویر بنی تھی۔اس کے خیال میں اس کا نام ایمی تھا۔ایمی یا شاید اینی، وہ ہر سال گرمیوں میں تواتر سے وہاں آتی تھی تاہم ایڈی نے کبھی اس کے باپ یا ماں کو نہیں دیکھا تھا۔

''سکیوزمی۔۔۔''اس نے دوبارہ کہا۔''ایڈی مین ٹین ننس۔۔۔''

''صرف ایڈی۔''اس نے گہرا سانس بھرا۔

''ایڈی؟''

''ہوں۔۔۔''

''کیا تم مجھے یہ بنادو گے۔۔۔''اس نے اپنے ہاتھوں کو جوڑا جیسے فریاد کر رہی ہو۔

''اوہو بچی۔۔۔میرا پاس اتنا وقت نہیں۔''

''کیا آپ مجھے ایک جانور بنادو گے؟''

ایڈی نے اوپر دیکھا جیسے وہ اس بارے میں ہی سوچ رہا ہو۔پھر اس نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور زرد رنگ کے تین پائپ کلینز باہر نکالے جن کو وہ اسی مقصد کے لیے رکھتا تھا۔

''ہاں ہاں۔۔۔''بچی نے خوشی سے تالی بجائی۔

ایڈی پائپ کلینرز کو موڑنے لگا۔

''تمہارے والدین کہاں ہیں؟''

''وہ جھولے لے رہے ہیں۔''

''تمہارے بغیر؟''

''میری ماں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ہے۔''بچی نے کندھے اچکائے۔

اوہ!!!ایڈی نے اس سمت میں دیکھا۔

اس نے پائپ کلینز کو مختلف چھوٹے چھوٹے پھندوں میں تبدیل کیا۔اس نے ہاتھوں کو زور سے ہلایا تو کیونکہ اسے دیر لگ رہی تھی۔لیکن جلد پائپ کلینرز ایک شکل میں تبدیل ہونے لگے اور اس میں سر،کان،جسم اور دم دکھائی دینے لگی۔

''خرگوش؟''بچی کہنے لگی۔

ایڈی نے آنکھ ماری۔

''تھینک یو۔''

بچی مڑی اور ایک سمت میں غائب ہوگئی۔ایڈی نے دوبارہ اپنا ماتھا صاف کیا اور پھر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔وہ ساحلی کرسی پر نیم دراز ہوگیا اور دوبارہ پرانے نغمے کو یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک سمندری عقاب اس کے بالکل سر پر آکر چہکا۔

لوگ اپنے آخری الفاظ کا انتخاب کیسے کرتے ہیں؟ کیا وہ سنگینی کو سمجھ لیتے ہیں؟ کیا وہ ہمیشہ سیانے ہوتے ہیں۔

ایڈی کی زندگی کا تراسی واں سال چل رہا تھا اور اب اس کا کوئی بھی پیارا زندہ نہیں تھا۔کچھ تو جوانی میں ہی چل بسے اور کچھ کو زندگی نے موقع دیا اور وہ بڑے ہوئے لیکن پھر کسی بیماری اور حادثے نے انہیں بھی آلیا۔ان کی تدفین کے موقع پر ایڈی دیکھا کرتا تھا کہ لوگ کیسے مرنیوالے کی باتیں کرتے اور اس کے آخری الفاظ یاد کرتے تھے۔

''ایسے لگتا تھا کہ اسے اپنی موت کا پتہ چل چکا تھا۔'' کوئی کہتا۔

ایڈی کبھی ان باتوں پر یقین نہ کرتا۔وہ تو زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا تھا کہ جب آپ کا وقت آتا ہوتا ہے تو وہ آجاتا ہے۔بس ایسا ہی ہوتا ہے۔آپ اپنے آخری لمحات پر کوئی دانائی کی بات بھی کرسکتے ہیں لیکن بالکل اسی طرح آپ کوئی احمقانہ بات بھی کرسکتے ہیں۔

ریکارڈ کی درستی کے لیے بتاتے چلیں کہ ایڈی کے آخری الفاظ ہوں گے۔''پیچھے ہٹ جاؤ۔''

ایڈی کی زندگی کے آخری لمحات کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔لہروں میں تلاطم تھا۔وہ چٹانوں سے ٹکرا کر ایک موسیقی پیدا کررہی تھیں۔فضا میں ایک چھوٹا طیارہ پرواز کررہا تھا اور اس کی دم سے کوئی اشتہار بندھا پھڑ پھڑا رہا تھا۔پھر یہ ہوا۔

''اوہ میرے خدا، وہ دیکھو۔۔۔''

ایڈی کو محسوس ہورہا تھا کہ اس کی آنکھیں بند ہورہی ہیں۔وہ سالوں سے روبی پائیر میں طرح

طرح کی آوازیں سنتا آرہا تھا اور وہ ان آوازوں کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ وہ اس کے لیے ایک لوری کی مانند ہو چکی تھیں۔

تاہم یہ آواز لوری جیسی نہ تھی۔

''اوہ، میرے خدا، وہ دیکھو۔۔۔''

ایڈی ایک دم کھڑا ہو گیا۔ ایک عورت جس کے بازو موٹے اور بھدے تھے، وہ ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے ایک سمت میں اشارہ کرتے ہوئے چلا رہی تھی۔ ایک مجمع اس عورت کے گرد جمع تھا اور وہ اوپر کی جانب دیکھ رہے تھے۔

ایڈی کو فوری طور پر وہ منظر دکھائی دیا۔ پارک کے نئے جھولے ''فریڈی فری فال'' کے اوپر ایک ڈبہ ایک جانب کو جھک رہا تھا جیسے اپنی سواریوں کو نیچے پھینکنا چاہتا ہو۔ اس ڈبے میں چار افراد تھے جن میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں جو اس وقت ایک سیفٹی بار سے بندھے ہوئے تھے اور خوفزدہ انداز میں چلاتے ہوئے کسی بھی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''اوہ میرے خدا۔۔۔'' موٹی عورت چلائی۔ ''یہ لوگ تو گرنے والے ہیں۔''

ایڈی کی یونیفارم کے ساتھ لگے ریڈیو وائرلیس سے ایک تیز آواز گونجی۔ ''ایڈی، ایڈی، تم کہاں ہو؟''

اس نے بٹن دبایا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں۔ جلدی سے سیکورٹی بلاؤ۔''

ساحل سے لوگ بھاگتے ہوئے ادھر آنے لگے۔ وہ اوپر کی طرف یوں اشارے کر رہے تھے جیسے کوئی مشق کر رہے ہو۔ ''ادھر دیکھو اوپر، جھولا گرنے والا ہے۔''

ایڈی نے اپنی چھڑی اٹھائی اور پلیٹ فارم کی حفاظتی بار ہٹاتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کی کمر سے بندھا چابیوں کا گچھا زور زور سے چھن چھن کر رہا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

فریڈی فری فال کے دو ڈبے خوفناک انداز میں نیچے گرنے والے تھے اور وہ صرف ہائیڈرالک کی ہوا کے پریشر سے اس وقت صرف اٹکے ہوئے تھے۔ آخر ڈبے اس طرح ڈھیلے کیسے ہو گئے؟ وہ سب سے بالائی پلیٹ فارم سے چند فٹ کی اونچائی پر ایک طرف کو جھکے ہوئے تھے جیسے انہوں نے نیچے آتے ہوئے اچانک اپنا ذہن بدل لیا تھا۔

ایڈی تیزی سے گیٹ کے قریب پہنچا اور بمشکل اپنی سانس کو کنٹرول کیا۔ ڈومینگز تیزی سے اس کی جانب آیا اور اس سے ٹکرانے سے بال بال بچا۔

''میری بات سنو۔'' ایڈی نے ڈومینگز کو کندھے سے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ اس نے اسے اس قدر سختی سے پکڑا کہ ڈومینگز کے چہرے پر تکلیف کے آثار دکھائی دیے۔ ''میری بات سنو، یہ بتاؤ کہ اوپر کون ہے؟''

''ولی۔''

''ٹھیک ہے، اس نے یقیناً ایمرجنسی سٹاپ کا بٹن دبا دیا ہوگا۔ تبھی ڈبہ لٹک رہا ہے۔ سیڑھیوں سے اوپر جاؤ اور ولی کو کہو کہ وہ حفاظتی رکاوٹوں کو کھول دے تاکہ یہ لوگ باہر نکل سکیں۔ ٹھیک ہے؟ یہ ڈبے کے پیچھے ہے چنانچہ تمہیں اس کی رہنمائی کرنی ہے، سمجھ گئے؟ اس کے بعد تم دونوں کو، ہاں تم دونوں کو، ایک کو نہیں، سمجھ گئے ناں؟ تم دونوں کو انہیں باہر نکالنا ہے۔ تم لوگوں نے ایک دوسرے کو پکڑ کر رکھنا ہے۔ سمجھ گئے؟ سمجھ گئے؟''

ڈومینگز نے جلدی سے سر ہلایا۔

''اس کے بعد تمہیں ڈبے کو نیچے کی طرف بھیجنا ہے تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ کیا ہوا ہے۔''

ایڈی کے سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اگرچہ ان کا پارک اب تک کسی بھی بڑے حادثے سے محفوظ تھا تاہم وہ اس کاروبار میں پیش آنے والے خوفناک حادثات سے اچھی طرح واقف تھا۔ برائٹن میں اسی قسم کے ایک حادثے میں ایک گنڈولا جھولے کے بولٹ کھل گئے تھے اور اس کے نتیجے میں جھولا گرنے سے دو افراد کی موت واقع ہوگئی تھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ ونڈرلینڈ پارک میں ایک شخص نے رولر کوسٹر کے ٹریک پر چلنے کی کوشش کی تھی تو وہ گر گیا تھا اور ایک چھید میں پھنس گیا تھا۔ وہ چلا رہا تھا اور رولر کوسٹر کی کاریں پوری رفتار سے اس کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بہت خوفناک تھا۔

ایڈی نے ان واقعات کو بھلا دیا تھا۔ ایڈی کے آس پاس ایک ہجوم جمع تھا اور انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ڈومینگز سیڑھیاں پھلانگ رہا تھا۔ ایڈی نے فریڈی فری فالز کے اندرونی منظر کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ انجن، سلنڈرز، ہائیڈرالکس، سیلز کیبلز۔ ایک ڈبہ ڈھیلا کیسے پڑ گیا؟ اس نے جھولے کو اس میں بیٹھے ہوئے چار خوفزدہ افراد کی نظر سے دیکھا اور پھر

اس کی بلند شافٹ سے نیچے دیکھا۔ انجن، سلنڈرز، ہائیڈرالکس، سیلز، کیبلز۔۔۔

ڈومینگز بالائی پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ اس نے وہی کیا جو ایڈی نے اسے کہا تھا۔ اس نے ولی کو پکڑا اور ولی دھیرے دھیرے ڈبے کی عقبی طرف کو سرکنے لگا تا کہ اس کی رکاوٹ کو کھول سکے۔ جھولے کی ایک خاتون سوار نے ولی کو پکڑنے کوشش کی اور اس کوشش میں ولی کو تقریباً پلیٹ فارم سے اپنی جانب کھینچ لیا۔ سب کے سانس اوپر نیچے ہو گئے۔

''انتظار۔۔۔'' ایڈی نے خود کلامی کی۔

ولی نے دوبارہ کوشش کی۔ اس بار وہ سیفٹی کو کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔

''کیبل۔۔۔'' ایڈی بڑبڑایا۔

بار ہٹ گیا اور مجمع کے منہ سے ''آہ آہ۔۔۔'' کی آواز نکلی۔

سواروں کو جلدی سے پلیٹ فارم پر کھینچ لیا گیا۔

''کیبل ٹوٹ رہی ہے۔۔۔''

ایڈی درست تھا۔ فریڈی فری فال کی بیس جو کہ آنکھوں سے اوجھل تھی اس کی وہ کیبل جس نے ڈبہ نمبر دو کو اٹھا رکھا تھا، گذشتہ چند ماہ کے دوران ایک بند ہو چکی پلی سے رگڑ کھا کھا کر خراب ہو چکی تھی۔ چونکہ یہ لاک ہو چکی تھی اس لیے اس نے کیبل کی لوہے کی تاروں کو کاٹ دیا تھا اور یہ تقریباً دو ٹکڑے ہو چکی تھی۔ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلا تھا۔ پتہ چل بھی کیسے سکتا تھا؟ یہ تبھی ممکن تھا جب کوئی رینگتا ہوا جھولے کے میکنزم میں داخل ہوتا اور مسئلے کے غیر متوقع سبب کو دیکھ پاتا۔

پُلی کسی بہت چھوٹی چیز کے باعث لاک ہو چکی تھی جو کسی لمحے اس کے سوراخ میں گر گئی تھی۔

یہ کار کی چابی تھی۔

''ڈبے کو مت چھوڑنا، مت ریلیز کرنا'' ایڈی چلایا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ زور زور لہرائے۔ ''اے، اے سنو، کیبل ٹوٹ چکی ہے۔ ڈبے کو مت چھوڑنا۔ یہ گرنے والا ہے۔''

مجمع کے شور میں ایڈی کی آواز دب کر رہ گئی۔ لوگ خوشی سے چلا رہے اور نعرے لگا رہے تھے کیونکہ ولی اور ڈومینگو نے آخری مسافر کو بھی جھولے سے اتار لیا تھا۔ اب وہ چاروں محفوظ تھے اور پلیٹ فارم پر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔

''ڈوم!!! ولی!!!'' ایڈی چلایا۔ اچانک کوئی اس کی کمر سے ٹکرایا اور اس کا واکی ٹاکی زمین پر گر پڑا۔ ایڈی اسے اٹھانے کے لیے جھکا۔ ولی کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ اس نے سبز بٹن پر اپنی انگلی رکھی۔ ایڈی نے اوپر دیکھا۔

''نہیں، نہیں، نہیں۔ بٹن مت دبانا۔''

ایڈی ہجوم کی طرف مڑا۔ ''پیچھے ہٹ جاؤ۔''

ایڈی کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ لوگ متوجہ ہو گئے اور چلانا چھوڑ کر ادھر ادھر ہٹنا شروع کر دیا۔ فریڈی فری فال جھولے کے نیچے جگہ صاف ہو گئی۔

یہ وہ موقع تھا جب ایڈی نے اپنی زندگی کا ایک آخری چہرہ دیکھا۔

وہ جھولے کی دھاتی بنیاد کے عین نیچے آ گئی تھی جیسے اسے کسی نے وہاں پر دھکیل دیا ہو۔ اس کی ناک بہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ وہی پائپ کلینرز والی ننھی بچی تھی۔ اس کا نام ایمی یا اینی تھا۔

''ماں، ماں۔۔۔ مام۔'' وہ مسلسل چلا رہی تھی اور روتے ہوئے اُس کا جسم یوں لگتا تھا جیسے سکتے کا شکار ہو گیا ہو۔

''ماں، ماں۔۔۔ مام۔۔۔''

ایڈی کی نگاہ ایک دم سے ہٹ کر جھولے کے ڈبوں کی طرف گئی۔ کیا اس کے پاس اتنا وقت تھا کہ اسے ڈبوں کے نیچے آنے سے بچاتا۔

ڈھم۔۔۔ ٹھاہ۔۔۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔ ڈبے گر رہے تھے۔ اوہ، خدایا، اس نے ڈبے چھوڑ دیے تھے اور پھر ایڈی کے لیے پانی پر چلتی لہروں کے جیسا ایک احساس تھا۔ اس نے چھڑی پھینک دی اور اپنی خراب ٹانگ گھسیٹنے کی کوشش کی اور پھر اسے اس قدر شدید درد ہوا کہ وہ نیچے گر گیا۔ اس نے ایک بڑا قدم اٹھایا۔ دوسرا قدم اٹھایا۔ فریڈی فری فال کی شافٹ میں سے کیبل کا آخری سلسلہ بھی ٹوٹ گیا اور ہائیڈرالک لائن کو چیرتا ہوا گذر گیا۔ ڈبہ نمبر دو اب خوفناک انداز میں نیچے گر رہا تھا اور کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ یہ ایسے ہی تھا کہ جسے کسی پہاڑی سے بڑا تودا نیچے کی طرف آتا ہے۔

ان آخری لمحات میں ایڈی کو یوں لگا جیسے اسے پوری دنیا کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ دور سے سنائی دینے والی چیخیں۔ لہریں، موسیقی، ہوا کی تیز جھنکار۔ ایک ہلکی تیز اور بدصورت آواز جو اس

کے خیال میں اسی کی تھی اور ایک دھماکے کی طرح اس کے سینے میں محسوس ہو رہی تھی۔ ننھی بچی نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ ایڈی نے گہرا سانس لیا۔ اس کا پاؤں کسی چیز میں الجھ گیا۔ وہ آدھا اڑتا ہوا اور آدھا قلابازیاں کھاتا ہوا ایک دھاتی پلیٹ فارم کے اوپر جا کر گرا جو اس کی قمیض کو اس مقام جہاں ''ایڈی مین ٹیننس'' لکھا ہوا تھا، سے پھاڑتا ہوا اس کی جلد میں جا گھسا۔ اسے دو ننھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں محسوس ہوئے۔

ایک حیران کن اثر تھا۔

آنکھوں کو اندھا کر دینے والا روشنی کا لپکا۔

اور اس کے بعد اندھیرا چھا گیا۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

یہ 1920ء کی دہائی ہے۔ یہ شہر کے ایک غریب ترین علاقے کا ایک پرہجوم ہسپتال ہے۔ ایڈی کا باپ انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا ہے۔ وہاں اور بھی کئی باپ سگریٹ پھونکنے میں مصروف ہیں۔ نرس ایک کلپ بورڈ ہاتھ میں پکڑے انتظار گاہ میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اس کا نام پکارتی ہے اور اس کی ہجے کی ادائیگی غلط ہوتی ہے۔ دیگر آدمی جلدی جلدی سگریٹ پینے لگتے ہیں۔

وہ اپنا ہاتھ بلند کرتا ہے۔

''مبارک ہو۔'' نرس کہتی ہے۔

وہ اس کے پیچھے چلتا ہے تو اس کے جوتے فرش سے ٹکراتے ہوئے ٹھک ٹھک کی آواز پیدا کرتے ہیں۔ برآمدے سے گذرتے ہوئے وہ نومولود بچوں کی نرسری کے سامنے پہنچتا ہے۔

''یہاں پر ٹھہریں۔'' وہ کہتی ہے۔

وہ شیشے سے اندر کا منظر دیکھتا ہے جہاں نرس ننھے ننھے لکڑی کے باکسز میں لیٹے ننھے وجودوں کو دیکھتی ہے اور باکس کے سامنے لکھا نام پڑھتی ہے۔ وہ ایک باکس کو دیکھ کر گذر جاتی ہے۔ پھر دوسرے باکس کو دیکھتی ہے اور پھر تیسرے باکس پر نظر دوڑاتی ہے۔

پھر وہ چوتھے باکس پر رکتی ہے۔ اس میں کمبل میں لپٹا ہوا ایک ننھا سر دکھائی دیتا ہے۔ وہ کلپ بورڈ پر دوبارہ نظر دوڑاتی ہے اور اسے اشارہ کرتی ہے۔

باپ گہرا سانس لے کر رہ جاتا ہے اور سر ہلاتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ بکھرنے لگتا ہے جیسے کوئی پل دریا میں ڈھے رہا ہو۔ پھر وہ مسکراتا ہے۔

سفر

ایڈی کو زمین پر اپنے آخری لمحات کے موقع پر کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔ نہ تو جھولوں والا پارک، نہ ہجوم اور نہ ہی فائبر گلاس سے بنے ٹوٹتے ہوئے جھولوں کے ڈبے۔ موت کے بعد جو زندگی ہوتی ہے، اس کے بارے میں کہانیوں میں بتایا جاتا ہے کہ اس موقع پر روح جسم کو الوداع کہتی ہے، ہوا میں اڑتی ہے۔ وہ ہائی وے پر ہونے والے حادثے کے بعد پولیس کی گاڑیوں کے اوپر فضا میں تیرتی ہے یا ہسپتال کے کمرے میں کسی مکڑے کی طرح چھت پر چپک جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دوسرا موقع مل جاتا ہے۔ جو کسی بھی طرح اور کسی بھی سبب سے دنیا میں دوبارہ جگہ پا لیتے ہیں۔

لیکن ایڈی کو دوسرا موقع نہیں ملا تھا۔

وہ کہاں تھا؟

کہاں؟

کہاں؟

آسمان ملگجا تاریک دکھائی دے رہا تھا۔ پھر آسمان روشن ہونے لگا۔ اس کی روشنی دھیرے دھیرے بڑھتی چلی گئی۔ ایڈی ہوا میں تیر رہا تھا اور اس کے ہاتھ اب بھی کسی شے کو تھامنے کے لیے آگے کو بڑھے ہوئے تھے۔

وہ کہاں تھا؟

جھولے کے ڈبے گر رہے تھے۔ اسے یاد آیا۔ ننھی لڑکی۔ ایمی؟ یا اینی؟ وہ رو رہی تھی۔ اسے یاد آیا۔ وہ خود کو آگے دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے پلیٹ فارم سے ٹکرانا یاد آیا۔ اسے اس کے دو ننھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں محسوس ہوئے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

کیا اس نے اسے بچا لیا تھا؟

ایڈی اس سارے منظر کو کچھ فاصلے سے دیکھ سکتا تھا جیسے یہ کئی سال پہلے ہوا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا وہ خود کو اس سے اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ وہ محض ایک سکون محسوس کر سکتا تھا جیسے ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں محسوس کرتا ہے۔

وہ کہاں تھا؟

اس کے ارد گرد موجود آسمان دوبارہ تبدیل ہونے لگا۔ پہلے وہ انگور کی طرح زرد ہوا، پھر جنگل کی طرح سبز اور پھر وہ اس طرح گلابی ہو گیا جس طرح ایڈی کو بچپن میں کاٹن کینڈیز کا رنگ دکھائی دیتا تھا۔

کیا میں نے اسے بچا لیا تھا؟

کیا وہ زندہ تھی؟

میری پریشانی کیا ہوئی؟

میرا درد کیا ہوا؟

یہی وہ چیزیں تھی جواب موجود نہ تھیں۔ اسے زندگی میں جو بھی زخم آیا تھا اور جو بھی درد اس نے اب تک سہا تھا، سب اس طرح غائب ہو چکے تھے جیسے سانس ایک بار خارج ہو کر غائب ہو جاتی ہے۔ وہ اب کوئی ازیت محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اداسی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا شعور دھوئیں جیسا محسوس ہوتا تھا جس میں اس وقت سوائے سکون اور اطمینان کے کوئی جذبہ نہ تھا۔ ایک بار پھر اس کے نیچے ہر شے بدل رہی تھی۔ کوئی چیز بل کھا رہی تھی۔ پانی، یا کوئی سمندر تھا۔ وہ ایک وسیع زرد سمندر کے اوپر تیر رہا تھا۔ اب یہ تربوز کی طرح سرخ ہو چکا تھا۔ پھر اس کا رنگ کچھ اور ہو گیا۔ اب وہ نیچے گرنے لگا اور سطح پر قلابازیاں کھانے لگا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیز رفتاری سے ہوا کہ اس قدر تیز رفتاری کا اسے زندگی میں کبھی تجربہ نہ ہوا تھا۔ یہ رفتار اس ہوا سے تیز نہ تھی جو اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور اسے کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔ اسے ایک سنہرے ساحل کی ریت دکھائی دی۔

پھر وہ پانی کے اندر تھا۔

اس کے بعد ہر شے خاموش ہو گئی۔

میری فکریں اور پریشانیاں کہاں ہیں؟

میرا درد کہاں ہے؟

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

وہ پانچ سال کا ہے۔ یہ اتوار کا دن ہے اور روبی پائیر پارک میں بورڈ واک کے ساتھ ساتھ پکنک کی میزیں سجی ہوئی ہیں جہاں سے طویل سفید ساحل واضح دکھائی دے رہا ہے۔ وہاں پر ونیلا کیک ہے جس پر نیلے رنگ کی موم بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک جگ میں مالٹے کا جوس موجود ہے۔ وہاں پر پارک کے بہت سے کارکن موجود ہیں جن میں جانور سدھانے والوں سے لیکر مختلف کردار ادا کرنے والے تمام لوگ ہیں جبکہ ماہی گیری سے متعلقہ کچھ لوگ بھی ہیں۔ ایڈی کا باپ اپنے معمول کے مطابق کارڈ روم میں بیٹھا ہے۔ ایڈی اس کے پاؤں میں بیٹھا کھیل رہا ہے۔ اس کا بڑا بھائی جو کچھ بوڑھی عورتوں کے سامنے بیٹھکیں لگانے میں مصروف ہے اور وہ عورتیں اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے ہلکی ہلکی تالیاں پیٹ رہی ہیں۔

ایڈی نے اپنی سالگرہ کے تحفے پہن رکھے ہیں جن میں ایک سرخ کاؤبوائے ہیٹ اور ایک کھلونا ہولسٹر نمایاں ہے۔ وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے ادھر ادھر دوڑ رہا ہے اور وقفے وقفے سے اپنی کھلونا پستول نکال کر دھائیں دھائیں کر رہا ہے۔

ٹھاہ! ٹھاہ! وہ منہ سے آوازیں نکالتا ہے۔

''ادھر آؤ لڑکے۔۔۔'' ایک میز سے مکی شیا کی آواز آتی ہے۔

ٹھاہ! ٹھاہ! وہ چلاتا ہے۔

مکی شیا ایڈی کے باپ کے ساتھ کام کرتا ہے اور جھولے وغیرہ ٹھیک کرتا ہے۔ وہ موٹا تازہ ہے اور ہر وقت آئرش نغمے گنگناتا رہتا ہے۔ ایڈی کے لیے وہ بہت دلچسپ ہے جیسے کھانسی کی دوائی ہوتی ہے۔

''ادھر آؤ تمہیں سالگرہ کا جھولا دوں۔'' وہ بولا۔ ''جیسے ہم آئرلینڈ میں کرتے ہیں۔''

اچانک مکی کے بڑے بڑے ہاتھ ایڈی کے بغلوں کے نیچے آتے ہیں اور اس نے اسے مخصوص انداز سے جھلانا شروع کر دیا ہے۔اس نے اسے اوپر اچھالا اور پھر اسے مخصوص انداز میں اسے الٹا کر دیا۔ایڈی کا ہیٹ گر گیا۔

''مکی، زرا سنبھل کے۔'' ایڈی کی ماں نے آواز لگائی۔ایڈی کے باپ نے اس کی طرف دیکھا، سر کو جھٹکا اور دوبارہ کارڈ روم میں چلا گیا۔

''ہو ہو۔۔کچھ نہیں ہوگا۔'' مکی بولا۔''اب اسے ہر سالگرہ پر ایسا جھولا ملے گا۔''

مکی نے اسے دھیرے دھیرے نیچے کیا، حتیٰ کہ اس کا سر فرش کو چھونے لگا۔

''ایک!''

مکی نے اسے دوبارہ اوپر کیا۔دوسرے لوگ بھی ہنسنے لگے اور گنتی دہرانے لگے۔

''دو۔۔۔تین۔۔۔''

ایڈی جو الٹا لٹکا ہوا تھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کون کون ہے۔اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔

''چار!۔۔۔''وہ چلائے۔''پانچ۔۔۔''

مکی اسے الٹا سیدھا کر کے جھولا جھلا رہا ہے اور سب تالیاں بجا رہے ہیں۔ایڈی نے اپنا ہیٹ پکڑنے کی کوشش کی اور پھر اسکے اوپر گر گیا۔وہ اٹھا اور مکی شیا کی طرف دوڑتا ہوا آیا اور اس کے بازو پر زور سے مکہ مارا۔

''اوہ ہو۔۔۔کیا ہوا چھوٹے آدمی۔۔۔'' مکی بولا تو سب زور زور سے ہنسنے لگے۔ایڈی مڑا اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اپنی ماں کی گود میں چڑھ گیا۔

''تم ٹھیک ہوناں، میرے پیارے بچے؟'' ماں نے ایڈی کا چہرہ چومتے ہوئے کہا۔اس نے اس کی گہری لپ سٹک اور ملائم سرخ گالوں کو بہت قریب سے دیکھا۔ماں کے بال اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔

''میں الٹا ہو گیا تھا۔'' اس نے اسے کہا۔

''میں نے دیکھا تھا۔'' ماں بولی۔

اس نے ہیٹ دوبارہ اس کے سر پر رکھ دیا۔ایڈی کو امید تھی کہ وہ بعد میں اسے پارک میں گھمانے لے جائے گی اور شاید اسے ہاتھی والا جھولا بھی جھلائے یا اسے ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑتا دکھائے گی جب وہ جال کھینچیں گے تو مچھلیاں اس میں چمکتے ہوئے سکوں کی مانند دکھائی دیں گی۔وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے گی اور کہے گی کہ خدا کو اس پر فخر ہے کہ وہ اپنی سالگرہ پر ایک اچھے بچے کے طور پر سامنے آیا ہے اور اس سے دنیا ایک بار پھر بہت اچھی ہو جائے گی۔

آمد

ایڈی کی آنکھ کھلی تو وہ ایک چائے کی پیالی میں تھا۔

اصل میں یہ ایک پرانے تفریحی پارک کے جھولے کا حصہ تھا۔ یہ سیاہ اور پالش کی گئی لکڑی کی بڑی بڑی چائے کی پیالیاں تھیں جن کے اندر بیٹھنے کے لیے گدی دار کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور اندر داخل ہونے اور نکلنے کے لیے فولاد کے دروازے تھے۔ ایڈی بڑے آرام سے ان پیالیوں میں سے ایک پیالی میں پڑا ہوا تھا۔ آسمان بدستور مختلف رنگ بدل رہا تھا۔ کبھی یہ چمڑے کے جوتوں جیسا بھورا ہو جاتا اور کبھی گہرا عنابی رنگ اختیار کر لیتا۔

اس نے اپنی جبلت کے مطابق اپنی چھڑی کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ وہ کئی سالوں سے اپنی چھڑی کو اپنے بستر کے کنارے کے ساتھ رکھتا آ رہا تھا کیونکہ یہ اس قسم کی صبحیں تھیں جب اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ چھڑی کے سہارے کے بغیر بستر سے کھڑا ہو سکے۔ یہ چیز ایڈی کو شرمندہ کرتی تھی کیونکہ وہ کسی زمانے میں بہت مضبوط اور طاقتور آدمی ہوا کرتا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر لوگوں سے بھڑ جاتا تھا۔ وہ ایک جنگجو طبیعت رکھنے والا فوجی ہوا کرتا تھا۔

لیکن اس وقت چھڑی اس کے قریب کہیں نہ تھی۔ ایڈی نے ایک لمبا سانس بھرا اور خود کو اٹھانے کی کوشش کی۔ حیران کن طور پر اس کی کمر میں کسی قسم کی درد نہ ہوئی۔ اس کی ٹانگ بھی نہیں دکھ رہی تھی۔ اس نے خود کو مضبوط محسوس کیا اور خود کو بڑی آسانی سے پیالی کے کنارے کے ساتھ کھڑا پایا۔ وہ تعجب کے ساتھ پیالی سے باہر زمین پر آ گیا جہاں فوری طور پر تین خیال اس کے ذہن میں وارد ہوئے۔

اول، وہ بہت زبردست محسوس کر رہا تھا۔

دوئم، وہ بالکل تنہا تھا۔

سوئم، وہ بدستور روبی پائیر پارک میں تھا۔

لیکن یہ روبی پائیر کچھ مختلف تھا۔ یہاں پر کینوس کے ٹینٹ لگے ہوئے تھے اور گھاس کے قطعات خالی تھے جبکہ وہاں پر کچھ رکاوٹیں بھی تھیں جن کی وجہ سے سمندر کی لہروں کا نظارا کرنا دشوار تھا۔ وہاں پر موجود مختلف دلچسپی کی چیزوں رنگ کا دہکتی آگ کی طرح سرخ یا کریم جیسا سفید تھا اور ہر جھولے کے پاس ٹکٹ کا بوتھ بنا ہوا تھا۔ چائے کی جس پیالی میں اس کی آنکھ کھلی تھی وہ ایک پرانا ترین جھولا تھا جسے وہاں پر ''سپنوراما'' کہا جاتا تھا۔ اس جھولے کے نام کی تختی دیگر جھولوں کی طرح پلائی وڈ کی بنی ہوئی تھی اور اس کے پاس مختلف دیگر جھولے بھی جن پر ان کے نام اور خصوصیات کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔

ہلکورے دینے والا آسمانی جھولا

وہپر کے مزے لیں، ایک سدا بہار جھولا

انوکھا سی سا جو آپ کو حیران کر دے گا

ایڈی نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ یہ اس کے بچپن کا روبی پائیر تھا، یعنی کوئی پچھتر سال پرانا۔ ہر چیز نئی نکور اور بہت تراش کر بنائی گئی تھی۔ اس سے پہلے یہ مختلف جھولے ہوا کرتے تھے جنہیں ختم کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئے اور زیادہ سنسنی خیز جھولے لگا دیے گئے تھے۔ مثال کے طور پر ایک جھولا لوپ دا لوپ تھا جسے دس سال پہلے ختم کر دیا گیا تھا۔ کچھ حمام تھے اور نمکین پانی کا ایک سوئمنگ پول بھی تھا جو پچاس کی دہائی میں ختم کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اصلی آسمانی جھولا تھا جو سب سے پہلے پارک میں لگایا گیا تھا جس پر سفید رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا۔ اس سے آگے اس کے پرانے قصبے کی آبادی تھی جہاں پر مکانوں کی چھتیں خوبصورت اینٹوں سے سجائی گئی تھیں جبکہ ان گھروں کی کھڑکیوں کے باہر کپڑے سکھانے کے لیے ڈالے گئے تھے اور ان کی ایک طویل قطار تھی۔

ایڈی نے چلانے کی کوشش کی لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ اس کے منہ سے ہوا کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اس نے زور سے ''اے'' کہا لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔

اس نے اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو پکڑا۔ اگرچہ اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھیں لیکن وہ خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایک دائرے میں چلنے لگا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی۔ کوئی درد نہ ہوا۔ گذشتہ دس سال سے وہ یہ بھول چکا تھا کہ اس کے لیے کسی قسم کے درد کے بغیر چلنا ممکن تھا یا وہ اپنی زیریں کمر میں درد کے بغیر بیٹھنے کے قابل بھی تھا۔ لیکن جب اس نے باہر سے خود کو دیکھا تو خود کو وہی چوڑی چھاتی والا بوڑھا آدمی پایا جیسا کہ وہ اس صبح تھا یعنی اس نے ایک کیپ اور شارٹس پہن رکھے

تھے اور جسم پر مرمت وغیرہ کے کام کرنے والوں کی بھوری وردی تھی۔ لیکن وہ لنگڑا تھا۔ تاہم وہ کیسا لنگڑا تھا کہ وہ پیچھے کی طرف جھک کر اپنے ٹخنوں کو ہاتھ لگا سکتا تھا اور اپنی ٹانگ کو اٹھا کر اپنے پیٹ تک لا سکتا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو کسی شیر خوار بچے کی طرح دیکھا جو اپنی نئی صلاحیتوں پر حیران اور پر جوش تھا۔ وہ یوں تھا جیسے کوئی ربڑ کا انسان ہوتا ہے اور وہ ربڑ کی طرح اپنے جسم کو موڑ سکتا تھا۔

پھر اس نے ایک جست لگائی اور دوڑنے لگا۔

آہا! بھاگنا دوڑنا بھی کتنی مزے کی چیز ہے۔ ایڈی گذشتہ ساٹھ سال سے دوڑنا بھولا ہوا تھا بالخصوص جنگ کے بعد سے تو وہ دوڑنا بھول ہی گیا تھا لیکن اس وقت وہ دوڑ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے ہلکے ہلکے جمپ لگائے اور پھر رفتار تیز کرتے ہوئے ایک پھرتیلے لڑکے کی طرح پھرکی کی طرح دوڑنے لگا۔ اس کی رفتار تیز، تیز اور تیز ہوتی گئی۔ وہ بورڈ واک اور پارک کے مختلف جھولوں کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہا۔ وہ پراٹھوں اور پیزا کے سٹال کے قریب سے گذرا۔ وہ تیراکی کرنے کے خواہش مندوں کو تیراکی کا لباس کرائے پر دینے والوں کے سٹال کے قریب سے گذرا۔ وہ ایک مقبول جھولے کے قریب سے نکلا جسے ڈپسی ڈوڈل کہتے تھے۔ وہ روبی پائیر کے اس نقلی شہر کے قریب سے گذرا جس میں مور لوگوں کے ڈیزئن کی دلکش عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں خوبصورت محرابیں اور مینار تھے اور پیاز کی شکل کے گنبد آنکھوں کو بھلے لگتے تھے۔ وہ پیریسین کاروُزل کے گھڑے ہوئے لکڑی کے گھوڑوں کے قریب سے بھی گذرا اور ان آئینوں کو پیچھے چھوڑا جن میں دیکھنے والوں کا عکس انہیں ہنسا دیتا تھا۔ یہ سب چیزیں نئی نکور تھیں۔ صرف چند گھنٹوں پہلے اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی ورکشاپ پر ان کا زنگ صاف کر رہا تھا۔ وہ اس پرانے راستے کے مرکز میں بھی دوڑا جہاں وزن بتانے والے، قسمت کا حال معلوم کرنے والے اور ناچنے والی خانہ بدوش عورتیں کام کیا کرتی تھیں۔ اس نے اپنی ٹھوری کو تھوڑا سا نیچے کیا اور بازوؤں کو ایک گلائیڈر کی مانند باہر نکالا۔ اب وہ ہر چند قدم کے ساتھ بچوں کی طرح ایک جست لگاتا اور یہ سوچتا کہ دوڑتے دوڑتے شاید وہ اڑنے لگے گا۔ دیکھنے والوں کے لیے یہ ایک مضحکہ خیز منظر تھا کہ ایک سفید بالوں والا بوڑھا تن تنہا بچوں کی طرح دوڑ رہا تھا اور بازوؤں کو اس طرح پھیلا رہا تھا جیسے وہ کوئی ہوائی جہاز بننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن دوڑنے والا لڑکا تو ہر آدمی کے اندر ہوتا ہے چاہے وہ کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو چکا ہو۔

اور پھر ایڈی نے دوڑنا بند کر دیا۔ اسے کوئی آواز سنائی دی۔ بہت ہی مدھم اور ہلکی آواز جیسے کوئی بہت دور سے بول رہا ہو۔

''خواتین وحضرات، آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا آپ نے اس سے زیادہ خوفناک چیز کبھی دیکھی ہے؟''

ایڈی ایک بڑے تھیٹر کے خالی ٹکٹ گھر کے باہر کھڑا تھا۔ اس کے اوپر لکھا تھا۔

دنیا کے عجیب الخلقت ترین لوگ

روبی پائیر سائیڈ شو

موٹا آدمی دیکھو

ڈھانچے جیسا آدمی دیکھو

جنگلی آدمی دیکھو

سائیڈ شو، یعنی عجیب الخلقت انسانوں کا تماشا۔ یہ بڑا عجیب تماشا تھا۔ ایڈی کو یاد آیا کہ اس قسم کا شو تو پچاس سال پہلے بند کر دیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ٹیلی وژن آ چکا تھا اور لوگوں کو اب اس قسم کے تماشے دیکھنے کا شوق نہیں رہا تھا۔

''اوہ، ذرا اس وحشی کو دیکھو، یہ کتنا ہولناک ہے۔''

ایڈی نے داخلی دروازے سے اندر جھانکا۔ یہاں پر اس کی بہت سے نرالے لوگوں سے ملاقات ہو چکی تھی۔ وہاں پر ''پرمزاح جبین'' ہوا کرتی تھی جو بہت موٹی تھی اور اس کا وزن کوئی پانچ سو پاؤنڈ تھا اور اسے سیڑھیوں سے اوپر لانے کے لیے دو تگڑے آدمیوں کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ وہاں پر جڑے جسموں والی بہنیں ہوا کرتی تھیں جن کی کمر آپس میں جڑی ہوئی تھی اور وہ وائلن اور گٹار بجاتی تھیں۔ وہاں پر تلواریں نگلنے والا آدمی، داڑھی والی عورتیں اور دو انڈین بھائیوں کی جوڑی تھی جن کی جلد ربڑ کی طرح تھی اور اسے دور تک کھینچا جا سکتا تھا۔ ان کے جسم کو تیل سے چپڑ دیا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ ہاتھوں پیروں کی مدد سے لٹک جاتے تھے۔

ایڈی جب بچہ تھا تو اسے سائیڈ شو کے ان نرالے بلکہ عجیب الخلقت لوگوں پر افسوس ہوا کرتا تھا۔ ان کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے ڈربوں اور سٹیج حتیٰ کہ پنجروں میں آ کر بیٹھیں جبکہ ان کا نگران ان کے آس پاس رہتا تھا جیسے کوئی جانوروں کی رکھوالی کرتا ہے۔ وہ ان کی طرف اشارے کرتا

اور لوگوں کی توجہ مبذول کراتا تھا۔ منادی کرنے والا ان کی منادی کرتا تھا اور اس وقت ایڈی اسی کی آواز سن رہا تھا۔

''قسمت کا المناک ہیر پھیر ہی کسی انسان کو اس حالت میں لا سکتا ہے۔ ہم اس کو دنیا کے ایک دور دراز خطے سے لائے ہیں تا کہ آپ اس کا نظارا کر سکیں۔''

ایڈی تاریک ہال میں داخل ہو گیا۔ آواز بلند ہو گئی۔

''اس بد قسمت نے مقدر کے ظلم کو سہا ہے۔''

یہ آواز سٹیج کے دوسری جانب سے آ رہی تھی۔

''یہاں پر دنیا کے سب سے نرالے اور انوکھے لوگ ہیں۔ کیا آپ ان کو اپنے قریب لا سکتے ہیں۔۔۔''

ایڈی نے پردے کو ہٹایا۔

''دنیا کے سب سے انوکھے انسان کا نظارا کیجیے۔''

منادی کرنے والے کی آواز غائب ہو گئی اور ایڈی بے یقینی کے عالم میں پیچھے ہٹا۔

وہاں پر سٹیج پر موجود ایک کرسی پر ایک درمیانی عمر کا شخص اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کا سینہ اور کاندھے کم چوڑے اور وہ شانوں سے کمر تک برہنہ تھا۔ اس کے پیٹ کی چربی اس کی بیلٹ پر دھری تھی۔ اس کے بال بہت اچھے طریقے سے بنے ہوئے تھے۔ اس کے ہونٹ پتلے اور چہرہ لمبا اور استخوانی تھا۔ اگر اس میں یہ انوکھی خصوصیت نہ ہوتی تو ایڈی اسے کب کا بھول چکا ہوتا۔

اس کی جلد نیلی تھی۔

''ہیلو ایڈورڈ۔'' وہ بولا۔ ''میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

جنت میں پہلے فرد سے ملاقات

''ڈرومت۔'' نیلا آدمی دھیرے سے کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔''ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''
اس کی آواز سکون بخش تھی لیکن ایڈی اس کی جانب دیکھنے کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ اس شخص کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اس کی اب اس سے ملاقات کا مقصد کیا تھا؟ اس کا چہرہ اس قسم کا تھا جو عام طور پر کبھی ہمارے خواب میں آئیں تو ہم اگلی صبح اٹھ کر کہتے ہیں۔''تم سوچ نہیں سکتے کہ میں نے رات کو خواب میں کیا دیکھا۔''

''تمہارا جسم ایک بچے کا جسم لگتا ہے۔ ٹھیک کہا؟''

ایڈی نے سر ہلایا۔

''تم جس زمانے میں مجھے جانتے تھے، اس وقت تم بچے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں اس وقت بھی وہی بچپن والا احساس ہو رہا ہے۔''

کیا احساس ہو رہا ہے؟ ایڈی نے سوچا۔

نیلے آدمی نے اپنی ٹھوری اوپر اٹھائی۔ اس کی جلد ڈرا دینے کی حد تک نیلی تھی۔ اس کی انگلیوں پر جھریاں تھیں۔ وہ کمرے سے باہر نکلا۔ ایڈی بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ جھولوں والا پارک خالی تھا۔ ساحل خالی تھا۔ کیا ساری دنیا خالی ہو چکی تھی؟

''مجھے ایک بات بتاؤ۔'' نیلا آدمی بولا۔ اس نے کچھ فاصلے پر موجود رولر کوسٹر کی طرف اشارہ کیا۔ اس رولر کوسٹر جھولے کا نام ''وہپر'' تھا۔ یہ انیس سو بیس کے زمانے میں بنایا گیا تھا جب ابھی گھساؤ والے پہیے تیار نہیں ہوئے تھے، مطلب یہ کہ اس وقت اس کے پہیے اتنی تیزی سے موڑ نہیں لیتے تھے لیکن اس کے باوجود اتنی رفتار رکھتے تھے کہ مزا دے جاتے تھے۔

''یہ وہپر ہے۔ کیا یہ اب بھی دنیا کا تیز ترین جھولا ہے؟''

ایڈی نے اس دقیانوسی چیز کی طرف دیکھا جسے کئی سالوں پہلے تیاگ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''آہ!'' نیلے آدمی کے منہ سے نکلا۔ ''میں نے بہت زیادہ تصور کرلیا۔ یہاں چیزیں تبدیل نہیں ہوتیں۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے جیسا کہ آپ انہیں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے۔''

یہاں سے کیا مطلب؟ ایڈی نے سوچا۔

نیلا آدمی مسکرایا جیسے اس نے ایڈی کے ذہن میں اٹھنے والے سوال کو سن لیا ہو۔ اس نے ایڈی کے شانے کو چھوا تو اسے ایک دم اپنے اندر حرارت کی ایک ایسی تیز لہر محسوس ہوئی جیسی اس نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کی سوچیں جملوں کی طرح باہر کو بکھرنے لگیں۔

میری موت کیسے ہوئی تھی؟

''یہ ایک حادثہ تھا۔'' نیلے آدمی نے کہا۔

مجھے مرے ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟

''ایک منٹ۔ ایک گھنٹہ۔ ایک ہزار سال۔''

میں کہاں ہوں؟

نیلے آدمی نے اپنے ہونٹ بھینچے اور غور سے اُس کے سوال کو دہرایا۔ ''تم کہاں ہو؟'' وہ مڑا اور اپنا ہاتھ بلند کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے روبی پائیر پارک کے تمام جھولوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ چلنے لگے۔ آسمانی جھولا گردش کرنے لگا۔ ڈاجم کاریں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ وہپر اوپر کی جانب جانے لگا۔ پارک میں موجود دیگر جھولے بھی اس طرح چلنے لگے جیسے ان میں کوئی بیٹھا ہو۔ سمندر ان کے سامنے تھا اور آسمان کا رنگ لیموں جیسا ہو رہا تھا۔

''تمہارے خیال میں تم کہاں ہو؟'' نیلے آدمی نے پوچھا۔ ''یہ جنت ہے۔''

''نہیں۔'' ایڈی نے اپنے سر کو شدت سے ہلایا۔

''نہیں!'' نیلے آدمی نے شاید اس کی کیفیت سے لطف اٹھایا۔

ایڈی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''نہیں؟ کیا یہ جنت نہیں ہو سکتی؟'' وہ بولا۔ ''کیوں؟ اس لیے کہ تم یہاں پر پلے بڑھے تھے؟''

ایڈی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آہ!'' نیلے آدمی نے سر ہلایا۔''بات یہ ہے کہ لوگ عام طور پر ان جگہوں کی قدر نہیں کرتے جہاں وہ رہتے ہیں۔لیکن جنت تو کسی انتہائی غیر متوقع جگہ پر بھی ہو سکتی ہے۔جنت کے تو اپنے کئی زینے ہیں۔یہ دوسرا زینہ ہے لیکن تمہارے لیے یہ پہلا زینہ ہے۔''

وہ ایڈی کو پارک کے اندر لے گیا۔وہ سگار شاپس اور ساسیج کے سٹال کے پاس سے گذرے اور پھر فلیٹ جوائنٹس کے پاس سے، جہاں لڑکے بالے اپنے سکے اور ٹوکن وغیرہ گراتے تھے۔

جنت؟ ایڈی نے سوچا۔مضحکہ خیز۔اس نے اپنی بالغ عمر کا زیادہ عرصہ روبی پائیر پارک سے جان چھڑانے کی کوشش میں گذارا تھا۔یہ محض ایک تفریحی پارک تھا جس میں لوگ چیختے چلاتے اور ہلا گلا کرتے ہوئے ادھر ادھر گھوما کرتے تھے اور اپنے پیسے ادھر ادھر خرچ کیا کرتے تھے۔یہ بات اس کے تصور سے بھی باہر تھی کہ یہ کوئی سکون سے رہنے والی جگہ ہو سکتی تھی۔

اس نے دوبارہ بولنے کی کوشش کی اور اس بار اس نے اپنے سینے میں سے ایک خرخراہٹ کی آواز سنی۔نیلا آدمی مڑا۔

''تم بولنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ہم سب لوگ شروع میں اسی تجربے سے گذرے تھے۔جب آپ یہاں آتے ہیں تو شروع شروع میں بول نہیں پاتے۔''

پھر نیلا آدمی مسکرایا:''اس سے آپ کو توجہ سے سننے میں مدد ملتی ہے۔''

''جنت میں تمہاری پانچ لوگوں سے ملاقات ہوگی۔'' نیلے آدمی نے اچانک کہا۔''ان میں سے ہر شخص کا تمہاری زندگی میں کوئی نہ کوئی کردار رہا ہے اور وہ کسی وجہ سے ہی تمہاری زندگی میں آیا تھا۔تمہیں اس وقت اس وجہ کا علم نہیں تھا اور یہی وجہ تمہیں یہاں جنت میں بتائی جائے گی تاکہ تم زمین پر گذری اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سمجھ سکو۔''

ایڈی شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔

''لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید جنت کوئی سرسبز باغ ہے جہاں وہ بادلوں میں اڑ سکتے ہیں اور دریاؤں اور پہاڑوں پر چل سکتے ہیں۔لیکن سکون اور اطمینان کے بغیر قدرتی مناظر بھی بے کار ہوتے ہیں۔''

''یہ ایک عظیم ترین تحفہ ہے جو خدا کی طرف سے آپ کو دیا جا سکتا ہے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ زندگی

میں آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔تا کہ اس کی وضاحت کی جائے۔یہی وہ سکون ہے جس کی آپ کو زندگی میں تلاش رہتی ہے۔

ایڈی زور سے کھانسا اور اس کی آواز کو سننے کی کوشش کی کیونکہ وہ بہت مدھم بول رہا تھا۔وہ خاموش رہ کر تنگ آ گیا تھا۔''

''جنت میں تمہاری جن لوگوں سے ملاقات ہوگی، ان میں میں پہلا آدمی ہوں۔جب میری انتقال ہوا تو میری زندگی بھی پانچ لوگوں کی وجہ سے روشن ہوگئی تھی۔اور پھر میں تمہاراانتظا کرنے یہاں آ گیا اور تمہارے راستے میں کھڑا ہو گیا تھا تا کہ تمہیں اپنی کہانی سنا سکوں جو کہ تمہاری ہی کہانی کا بھی حصہ ہوگی۔یہاں اور بھی لوگ ہیں۔ان میں سے کچھ کو تم جانتے ہوگے اور کچھ سے لاعلم ہوگے۔لیکن تمہارے مرنے سے پہلے یہ تمام لوگ تمہاری راہ میں آ چکے ہیں اور انہوں نے تمہاری زندگی کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا تھا۔''

ایڈی نے اپنے حلق سے کوئی آواز نکالنے کی بھرپور کوشش کی۔

''کیا؟''وہ چلاتے ہوئے بس اتنا کہہ سکا۔

یوں لگتا تھا جیسے اس کی آواز کسی گھونگے کی سیپی میں سے آ رہی تھی یا جیسے انڈے کے اندر سے چوزے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

''تم کیسے۔۔۔ہلاک۔۔۔''

نیلے آدمی نے تحمل سے اس کا نامکمل جملہ سنا۔

''تمہیں کس نے ہلاک کیا؟''

نیلا آدمی کچھ حیران دکھائی دیا۔وہ ایڈی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

''مجھے تم نے ہلاک کیا تھا۔''وہ بولا۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

اس کی عمر سات سال ہے اور اسے ایک نئے بیس بال گیند کا تحفہ ملا ہے۔ وہ اس کو دونوں سے ہاتھوں سے دباتا ہے اور اپنے بازوؤں میں اٹھنے والی طاقت کی لہر کو محسوس کرتا ہے۔ وہ تصور کرتا ہے جیسے وہ کارڈ پر بنے ہوئے دیومالائی ہیروز جیسا ہے جو کہ برائی کے خلاف نبرد آزما ہوتے ہیں اور اس میں فتح پاتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ شاید عظیم پچر والٹر جانسن ہے۔

''اے، اسے میری طرف پھینکو۔'' اس کا بڑا بھائی جو آواز لگاتا ہے۔

وہ وسطی راستے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں اور اس گیم بوتھ کے پاس پہنچ چکے ہیں جہاں آپ تین ہری بوتلوں کو ہٹ کریں تو آپ ایک ناریل اور ایک سٹرا جیت جاتے ہیں۔

''چلو ناں ایڈی۔'' جو کہتا ہے۔ ''میری طرف پھینکو۔''

ایڈی رک جاتا ہے اور خود کو ایک بڑے سٹیڈیم میں تصور کرتا ہے۔ وہ بال پھینکتا ہے۔ اس کا بھائی اسے اپنی کہنی میں دبوچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے۔ بال دور چلا جاتا ہے۔

''بہت مشکل ہے۔'' وہ کہتا ہے۔

''میرا بال۔۔۔'' ایڈی چلاتا ہے۔ ''تم بھی عجیب ہو۔''

ایڈی دیکھتا ہے کہ بال ٹھپے کھاتا ہوا بورڈ واک کی طرف جا رہا ہے اور پھر وہ سائیڈ شو والوں کے خیموں کے عقب میں لگے کھمبے سے ٹکرا کر غائب ہو جاتا ہے۔ وہ بال کے پیچھے بھاگتا ہے۔ جو بھی اس کے پیچھے آتا ہے۔ وہ زمین پر گر جاتے ہیں۔

''تم نے دیکھا بال کہاں گیا؟'' ایڈی پوچھتا ہے۔

''نہیں تو۔''

پھر ایک کھڑ بڑا تا شور سنائی دیتا ہے۔ ایک خیمے کا کپڑا ہٹتا ہے۔ ایڈی اور جو اس جانب دیکھتے

ہیں۔ وہاں پر ایک گندی موٹی عورت دکھائی دیتی ہے جبکہ قمیض کے بغیر ایک آدمی اس کے پاس کھڑا ہوتا ہے جس کے سرخ بالوں نے اس کے پورے جسم کو ڈھانپا ہوتا ہے۔ وہ عجیب الخلقت لوگوں کے شو کے عجیب الخلقت کردار ہیں۔

لڑکے خوف سے جم جاتے ہیں۔

''تم یہاں کیا شور شرابا کر رہے ہو؟'' بالوں والا آدمی غصے سے چلاتا ہے۔ ''کیا کوئی مسئلہ کھڑا کرنا ہے۔''

جو کے ہونٹ لرزتے ہیں۔ وہ رونے لگتا ہے۔ وہ ایک جست لگاتا ہے اور وہاں سے دوڑ جاتا ہے۔ ایڈی بھی اٹھتا ہے اور پھر اسے کچھ فاصلے پر اپنی گیند دکھائی دیتی ہے۔ وہ بالوں والے آدمی کی طرف دیکھتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے اپنی گیند کی طرف بڑھتا ہے۔

''یہ میری ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہے۔ وہ گیند اٹھاتا ہے اور اپنے بھائی کے پیچھے دوڑتا ہے۔

نیلے آدمی کا قصہ

''سنو مسٹر۔'' ایڈی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''میں نے تمہیں بالکل بھی قتل نہیں کیا۔ ٹھیک؟ میں تو تمہیں جانتا تک نہیں۔''

نیلا آدمی بنچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے مسکراہٹ کے ساتھ ایڈی کو دیکھا جیسے اپنے مہمان کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا ہو جبکہ ایڈی دفاعی انداز میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔

''پہلے میں تمہیں اپنا اصلی نام بتاتا ہوں۔'' نیلا آدمی بولا۔ ''میرا نام جوزف کوروشک تھا اور میں پولینڈ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے ایک درزی کا بیٹا تھا۔ ہم 1894ء میں ہجرت کر کے امریکہ آ گئے۔ اس وقت میں ایک کمسن لڑکا تھا۔ جہاز کے عرشے پر میری ماں میرا ہاتھ تھام کر کھڑی تھی اور یہ میرے بچپن کی ابتدائی ترین یاد ہے۔ وہ مجھے نئی دنیا کی ٹھنڈی ہوا میں جھلا رہی تھی۔''

''تمام مہاجرین کی طرح ہمارے پاس بھی پیسہ نہیں تھا۔ ہم چچا کے گھر میں ان کے کچن میں گدے بچھا کر سوتے تھے۔ میرے باپ کو مجبوراً سلائی کی ایک دکان پر ملازمت کرنا پڑی جہاں اس کی ذمہ داری کوٹوں پر بٹن ٹانکنا تھی۔ جب میں دس سال کا ہوا تو میرے باپ نے مجھے سکول سے ہٹا لیا اور اپنے ساتھ کام پر لے جانے لگا۔''

ایڈی نے نیلے آدمی کے مغموم چہرے کی جانب دیکھا۔ اسکے ہونٹ پتلے اور سینہ کشادہ تھا۔

یہ مجھے اپنی کہانی کیوں سنا رہا ہے؟ ایڈی نے سوچا۔

''میں فطری طور پر ایک گھبرایا ہوا بچہ تھا جو اکثر نروس رہتا تھا۔ دکان میں ہر وقت شور شرابا مجھے اور پریشان کرتا تھا۔ میں وہاں پر موجود لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا اور اکثر شکوہ شکایت کرتا رہتا تھا۔''

''جب بھی فورمین ہمارے قریب آتا تو میرا باپ مجھے کہتا ہے کہ چہرہ نیچے کو جھکا لو۔ وہ کہتا کہ نیچے دیکھو اور اس کو اپنا پتہ نہ چلنے دو۔ ایک بار میں لڑکھڑا گیا اور میرے ہاتھ سے بٹنوں سے بھرا ڈبہ

چھوٹ گیا جس سے تمام بٹن ادھر ادھر بکھر گئے اور فرش پر پھیل گئے۔ فورمین چلایا اور مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ وہ بولا کہ میں کسی کام کا نہیں۔ میں بے کار بچہ ہوں اور مجھے وہاں سے جانا ہوگا۔ مجھے اس وقت کا ایک ایک لمحہ یاد ہے کہ کس طرح میرا باپ کسی بھکاری کی طرح فورمین کی منت سماجت کرنے لگا۔ فورمین بڑبڑ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کی پشت سے ناک صاف کرنے لگا۔ مجھے اپنے پیٹ میں شدید گڑبڑ محسوس ہوئی۔ میں نے نیچے دیکھا۔ فورمین نے میری گیلی پتلون کی جانب اشارہ کیا اور ہنسنے لگا۔ دیگر کارکن بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگے۔''

''اس واقعے کے بعد میرے باپ نے میرے ساتھ بات کرنا چھوڑ دی۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے شرمندہ کیا تھا اور میرا ابھی یہی خیال تھا کہ میں نے اسے شرمسار کیا تھا۔ لیکن باپ اپنے بچوں کو خراب بھی کر سکتے ہیں اور میرے ساتھ بھی یہی ہوا اور اس واقعے کے بعد میں خراب ہو گیا۔ میں ایک نروس بچہ تھا اور جب میں بڑا ہوا تو ایک نروس نوجوان تھا۔ اس سے بھی خراب بات یہ تھی کہ میں اب بھی اپنا بستر گیلا کرتا تھا۔ صبح ہوتی تو میں گندی چادر کو چپکے سے واش بیسن میں لے جاتا اور اس کو دھو کر خشک کرتا۔ ایک مرتبہ میرے باپ نے گندی چادروں کو دیکھ لیا اور اُس کے بعد اس نے مجھے ایسی سخت نظروں سے دیکھا کہ میں آج تک ان نظروں کو بھول نہیں سکا۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے وہ مجھے پیٹ ڈالے گا۔''

نیلے آدمی نے توقف کیا۔ اس کی جلد جو یوں لگتا تھا کہ کسی نیلے محلول سے تر ہے جس میں دکھائی دینے والی چربی کی تہیں اس کی بیلٹ پر دھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ ایڈی اسے گھورے بغیر نہ رہ سکا۔

''ایڈورڈ، میں ہمیشہ سے اس طرح کا عجیب الخلقت نہ تھا'' وہ بولا۔ ''لیکن اس زمانے میں دوائیں اس قدر اچھی نہ تھیں۔ میں ایک کیمسٹ کے پاس گیا تا کہ اس سے اپنے اعصاب کے لیے کچھ دوائیں لے سکوں۔ اس نے مجھے سلور نائٹریٹ کی ایک بوتل دی اور کہا کہ میں اس میں پانی ملا کر روزانہ رات کو پیا کروں۔ سلور نائٹریٹ کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ یہ زہر ہوتا ہے۔ لیکن میرے پاس اپنی بیماری کے علاج کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو مجھے لگا کہ شاید میں اسے کم مقدار میں لے رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس کی زیادہ مقدار لینا شروع کر دی۔ بعض اوقات میں اس کے دو گھونٹ اور بعض اوقات تین گھونٹ لینے لگا اور وہ بھی بغیر پانی کے۔۔۔''

''جلد لوگ مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ میری جلد راکھ کی رنگت جیسی ہو رہی تھی یعنی اس کا رنگ بدل رہا تھا۔''

''میں اور بھی شرمندہ ہوا اور غصے میں رہنے لگا۔ میں اور زیادہ سلور نائٹریٹ پینے لگا۔ یہاں تک کہ میری جلد سرمئی رنگ سے نیلے رنگ میں بدل گئی جو کہ اس زہر کا زیلی اثر یعنی سائیڈ ایفیکٹ تھا۔''

نیلے آدمی نے پھر توقف کیا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ ''فیکٹری نے مجھے ملازمت سے نکال دیا۔ فورمین کا خیال تھا کہ دوسرے کارکن میری وجہ سے خوفزدہ تھے۔ بغیر کام کے میں کہاں سے کھاتا؟ کہاں پر رہتا؟''

''مجھے ایک سیلون ملا جو ایک اندھیری جگہ تھی اور جہاں میں ایک ہیٹ اور کوٹ کے نیچے خود کو چھپالیتا۔ ایک میلے ٹھیلے کے بازیگروں کی ایک ٹولی وہاں پر آئی۔ وہ سگار پیتے تھے۔ وہ زور زور سے ہنستے تھے۔ ان میں سے ایک چھوٹے قد کے آدمی جس کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی، مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ آخر وہ میرے پاس آیا۔''

''رات تک میں ان بازیگروں کی ٹولی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور اس کے بعد میری زندگی ایک جنس بن گئی۔ ایک پراڈکٹ بن گئی۔''

ایڈی نے نیلے آدمی کے مغموم چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ آخر یہ سائیڈ شو میں کام کرنے والے عجیب الخلقت لوگ کہاں سے آتے ہیں۔ اب اسے پتہ چلا تھا کہ ان میں ہر شخص کے پیچھے کوئی نہ کوئی دکھ بھری کہانی ہوتی ہے۔

''بازیگروں کے ٹولے نے مجھے مختلف نام دیے۔ کبھی وہ مجھے قطب شمالی کا نیلا آدمی کہتے اور کبھی الجزائر کا نیلا آدمی یا نیوزی لینڈ کا نیلا آدمی قرار دیتے۔ میں ان جگہوں پر کبھی نہیں گیا تھا تاہم میرے لیے اس وقت یہ ایک خوش کن بات تھی کہ مجھے نایاب سمجھا جاتا تھا چاہے یہ ایک سائن بورڈ کی شکل میں ہی ہوتا تھا۔ میرا شو سیدھا سادھا ہوتا تھا یعنی میں بالائی دھڑ پر کچھ پہنے بغیر سٹیج پر دھری ایک کرسی پر بیٹھ جاتا تھا اور لوگ میرے قریب سے گذرتے ہوئے مجھے دیکھتے رہتے تھے۔ اس موقع پر منادی کرنے والا میرا تعارف کراتا اور لوگوں کو بتاتا کہ میں قابل رحم ہونے کے باوجود کس قدر انوکھا ہوں۔ اس دوران میں لوگوں کی جانب سے پھینکے جانے والے کچھ سکے اپنی جیب میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ مینیجر نے ایک مرتبہ مجھے اپنے ''اصطبل'' کی سب سے بہترین مخلوق قرار دیا جو اگرچہ ایک

باعث تکلیف بات تھی تاہم میں نے اس پر فخر محسوس کیا۔ جب آپ ایک اچھوت کا درجہ اختیار کر چکے ہوں تو آپ کے پاس سوائے کڑھنے کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔''

''سردیوں کے موسم میں میں روبی پائیر پارک گیا۔ وہ اس زمانے میں ایک سائیڈ شو شروع کرنے کی تیاری کررہے تھے جس کا نام ''انوکھے لوگ'' تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں ناں میں بھی ان میں شامل ہوجاؤں، کم از کم بازیگروں کی بنجاروں جیسی زندگی سے تو جان چھوٹے گی۔'' ''چنانچہ روبی پائیر پارک میرے لیے گھر بن گیا۔ میں سا سیج شاپ کے اوپر واقع ایک کمرے میں رہتا تھا۔ رات کو میں سائیڈ شو کے دوسرے لوگوں کے ساتھ کارڈ کھیلتا۔ ان میں بعض اوقات تمہارا والد بھی شامل ہوتا،' صبح کے وقت جب میں ایک لمبی قمیض پہن لیتا اور اپنے سر اور منہ کو ایک بڑے تولیے میں چھپا لیتا تو میں لوگوں کو خوفزدہ کیے بغیر ساحل پر چہل قدمی کرسکتا تھا۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات لگتی ہے لیکن میرے لیے ایک ایسی آزادی تھی جس سے میں نیلا پڑنے کے بعد کم ہی لطف اندوز ہوسکا تھا۔''

اس دوران وہ رکا اور ایڈی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا تم سمجھے؟ ہم یہاں کیوں ہیں؟ یہ تمہاری جنت نہیں، یہ میری ہے۔''

اب ایک کہانی سنیں جو دو مختلف زاویوں سے دیکھی گئی۔

1920ء کی دہائی کی بارش والی اتوار کی ایک صبح کا تصور کریں جب ایڈی اور اس کے دوست اس بیس بال سے کھیل کود میں مگن ہیں جو ایڈی کو ایک سال قبل سالگرہ کے تحفے کے طور پر ملی تھی۔ تصور کریں یہ بال اچانک ایڈی کے سر پر سے اڑتی ہوئی سڑک پر جا گرتی ہے۔ ایڈی جس نے پھولدار شارٹس پہن رکھے ہیں اور سر پر اونی ٹوپی ہے، اس بال کو پکڑنے کے لیے بھاگتا ہے اور ایک فورڈ ماڈل اے گاڑی کے سامنے آجاتا ہے۔ کار لڑکھڑاتی ہے، اس کی بریکیں چیختی ہیں اور وہ ادھر ادھر کو مڑتی ہے اور ایڈی بال بال بچ جاتا ہے۔ ایڈی کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ جاتی ہے، وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہے اور بال کو اٹھا کر دوبارہ اپنے دوستوں کی طرف بھاگ جاتا ہے۔ ان کا کھیل جلد ختم ہوجاتا ہے اور وہ نشانہ بازی کے اس مرکز میں چلے جاتے ہیں اور ایری ڈگر کی مشین پر کھیلنے لگتے ہیں جو اپنے پنجوں نما میکنزم کے ذریعے چھوٹے چھوٹے کھلونے پکڑتی ہے۔

اب اسی کہانی کو دوسرے زاویے سے دیکھیں۔ اس فورڈ ماڈل گاڑی کے سٹیرنگ وہیل پر جو شخص ہے اس نے یہ گاڑی اپنے ایک دوست سے ادھار لی ہے تا کہ اس پر ڈرائیونگ سیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ کچھ سیدھا کر سکے۔ سڑک صبح کی بارش کی وجہ سے بھیگی ہوئی ہے۔ اچانک ایک بیس بال اچھلتی ہوئی سڑک پر آ گرتی ہے اور ایک بچہ اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آتا ہے۔ ڈرائیور گھبرا کر زور سے بریک لگاتا ہے اور زور سے سٹیرنگ گھماتا ہے۔ گاڑی کے پہیے چرچراتے ہیں اور وہ ایک سمت میں مڑ جاتی ہے۔

وہ شخص کسی طرح گاڑی پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے اور گاڑی ایک طرف گھوم جاتی ہے۔ عقبی شیشے میں سے دیکھا جا سکتا ہے کہ لڑکا بال اٹھا کر وہاں سے غائب ہو جاتا ہے لیکن کار ڈرائیور کی حالت ٹھیک نہیں ہوتی اور وہ اس حادثے کے شاک سے ٹراما کا شکار ہو جاتا ہے۔ خوف کی ایک لہر اس کے دل تک جاتی ہے اور اس کی دھڑکن اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ اس کا کمزور دل اس کو برداشت نہیں کر پاتا اور پھر دھڑکن ایک دم رک جاتی ہے۔ وہ آدمی غشی محسوس کرتا ہے اور اس کا سر ادھر ادھر ڈولتا ہے۔ اس کی گاڑی دوسری گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچتی ہے۔ دوسرا ڈرائیور زور سے ہارن بجاتا ہے۔ وہ آدمی ایک دم پھر چونکتا ہے اور سٹیرنگ گھماتا ہے اور بریک کو پوری طاقت سے دبا دیتا ہے۔ تاہم عین اس وقت گاڑی کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہے اور وہ قریب ہی کھڑے ایک ٹرک سے ٹکرا جاتی ہے۔ ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ہیڈ لائٹ ٹوٹ جاتی ہے۔ جھٹکے کی وجہ سے اس آدمی کا سر زور سے سٹیرنگ سے ٹکراتا ہے۔ اس کے ماتھے سے خون بہنے لگتا ہے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا گاڑی سے نکلتا ہے اور نقصان کا اندازہ لگاتا ہے اور پھر اسی وقت بھیگی ہوئی زمین پر گر جاتا ہے۔ اس کے بازو لرزتے ہیں۔ اس کا سینہ بھی زخمی ہو جاتا ہے۔ یہ اتوار کی صبح ہے۔ سڑک کے آس پاس ویرانی ہے۔ وہ وہاں کار کے پاس کچھ دیر تک پڑا رہتا ہے اور کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ اس کے دل کی شریانیں دل کو خون پہنچانے میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ ایک گھنٹہ گذر جاتا ہے۔ ایک پولیس اہلکار اسے دیکھ لیتا ہے۔ طبی تجزیے کے بعد اسے مردہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ موت کا سبب "ہارٹ اٹیک" لکھا جاتا ہے۔ اس کے کسی رشتے دار کا پتہ نہیں چلتا۔

یہ ایک کہانی تھی جسے دو مختلف زاویوں سے دیکھا گیا۔ یہ ایک ہی دن اور ایک ہی لمحہ ہے لیکن اس کہانی میں ایک زاویہ اس نشانہ بازی کے مرکز میں خوشی خوشی کے ساتھ ختم ہوتا ہے جہاں ایک چھوٹا بچہ

کھیل کود میں مگن ہے اور ایری ڈگر مشین میں سکے ڈال کر شور مچا رہا ہے جبکہ دوسرا زاویہ ایک ہسپتال کے مردہ خانے میں ختم ہوتا ہے جہاں مردہ خانہ کا سٹاف ایک دوسرے کو بلا بلا کر وہاں پر آنے والی ایک نئی لاش کو دکھا رہا ہے کیونکہ اس لاش کا جسم نیلے رنگ کا ہے۔

''تم نے دیکھا؟'' نیلے آدمی نے اپنی کہانی کو ختم کرتے ہوئے ایڈی سے سرگوشی میں کہا۔ ''ننھے لڑکے؟''

ایڈی کو اپنے جسم میں ایک سرد لہر محسوس ہوئی۔

''اوہ نہیں!!!'' اس کے منہ سے بھی دھیرے سے نکلا۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

وہ آٹھ سال کا ہے۔ وہ اس وقت صوفے کے کنارے پر بیٹھا ہے اور اس نے غصے سے اپنے بازو سینے سے باندھ رکھے ہیں۔ اس کی ماں اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی ہے اور اس کے جوتوں کے تسمے باندھ رہی ہے۔ باپ آئینے کے سامنے کھڑا اپنی ٹائی درست کر رہا ہے۔

''میں نہیں جاؤں گا۔'' ایڈی کہتا ہے۔

''مجھے پتہ ہے۔'' اس کی ماں اس کی طرف دیکھے بغیر کہتی ہے۔ ''لیکن ہمیں یہ کرنا ہے۔ بعض اوقات جب کوئی اداس کرنے والا واقعہ پیش آتا ہے تو ہمیں بعض کام کرنا پڑتے ہیں۔''

''لیکن آج میری سالگرہ ہے۔''

ایڈی سوگوار انداز میں پورے کمرے میں نظر دوڑاتا ہے اور پھر کونے میں نظر دوڑاتا ہے جہاں ایک کھلونے بہت سے ٹکڑے پڑے ہیں اور ربڑ کے تین پہیے بھی موجود ہیں۔ ایڈی ایک ٹرک بنا رہا تھا۔ وہ چیزوں کو جوڑنے میں خاصا تیز تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنی سالگرہ پارٹی کے موقع پر اس کو اپنے دوستوں کو دکھائے گا۔ لیکن اس کے بجائے وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے اور اس سلسلے میں کپڑے پہن رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ٹھیک نہیں۔

اس کا بڑا بھائی جو اونی پینٹ پہنے اور بو ٹائی لگائے بائیں ہاتھ میں بیس بال گلوز پہنے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ وہ سختی سے اپنے گلوز کو تھپتھپاتا ہے اور ایڈی کی طرف منہ چڑاتا ہے۔

''وہ میرے پرانے جوتے تھے۔'' جو کہتا ہے۔ ''نئے جوتے بہتر ہیں۔''

ایڈی منہ بناتا ہے۔ اسے جو کی اتری ہوئی چیزیں پہننے سے نفرت ہے۔

''منہ مت بناؤ۔'' اس کی ماں کہتی ہے۔

''یہ جوتے لگتے ہیں۔'' ایڈی کراہ کر کہتا ہے۔

''بس بہت ہو گیا۔'' اس کا باپ چلاتا ہے۔ وہ ایڈی کی جانب گھور کر دیکھتا ہے۔ ایڈی خاموش ہو جاتا ہے۔

قبرستان میں ایڈی پارک کے لوگوں کو مشکل سے ہی پہچان پاتا ہے۔ پارک میں جو لوگ عام طور پر عجیب وغریب اور مضحکہ خیز لباس پہنتے تھے اور مسخرے دکھائی دیتے تھے، اس وقت انہوں نے سیاہ سوٹ پہن رکھے ہیں۔ اس کے باپ نے بھی سیاہ سوٹ پہن رکھا ہے۔ عورتوں نے بھی سیاہ ماتمی لباس پہن رکھا ہے۔ کچھ عورتوں نے تو چہرے پر حجاب بھی لے رکھا ہے۔

ایڈی دیکھتا ہے کہ ایک آدمی ایک گڑھے میں مٹی ڈال رہا ہے۔ وہ آدمی راکھ سے متعلق کچھ کہتا ہے۔ ایڈی نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے اور سورج کی جانب دیکھ رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اسے اس موقع پر اداس نظر آنا چاہیے تاہم وہ خفیہ طور پر اپنے دل میں گنتی گن رہا ہے۔ وہ ایک سے لیکر ہزار تک گنتی گن رہا ہے اور اسے امید ہے کہ ہزار کی گنتی مکمل ہونے پر وہ واپس اپنی سالگرہ پارٹی پر پہنچ جائے گا۔

پہلا سبق

''مہربانی کیجیے جناب۔'' ایڈی التجا کرتا ہے۔ ''مجھے پتہ نہیں تھا۔ میرا یقین کریں۔ اوہ خدایا، مجھے پتہ تک نہ چلا۔''

نیلے آدمی نے سر ہلایا۔ ''تمہیں پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔''

ایڈی دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو دفاعی انداز میں اس طرح چوکنا کر لیا تھا جیسے کسی لڑائی کے لیے تیار ہو رہا ہو۔

''لیکن اب مجھے اس کی قیمت ادا کرنی ہے۔'' وہ کہتا ہے۔

''قیمت ادا کرنی ہے؟''

''اپنے گناہوں کی، یہی وجہ ہے کہ میں یہاں ہوں۔ سمجھے؟ یعنی انصاف؟''

نیلا آدمی مسکرایا۔ ''نہیں ایڈورڈ۔ تم یہاں اس لیے ہو تا کہ میں تمہیں ایک سبق دے سکوں۔ یہاں تمہاری جتنے بھی لوگوں سے ملاقات ہوگی وہ تمہیں کوئی نہ کوئی سبق دیں گے۔''

ایڈی بدستور شک و شبے میں تھا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

''سبق، لیکن وہ کیا؟''

''یعنی دنیا میں کوئی بھی عمل یا فعل بلاوجہ نہیں ہوتا۔ یعنی ہم سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ یعنی آپ ایک زندگی کو دوسری زندگی سے الگ نہیں کر سکتے چاہے تم ہوا سے صبا کو الگ کرنے کے قابل بھی کیوں نہ ہو جاؤ۔''

ایڈی نے سر ہلایا۔ ''ہم ایک گیند کو پھینک رہے تھے۔ یہ میری حماقت تھی کہ میں اس کی طرف اس طریقے سے دوڑا۔ آخر تمہیں میری وجہ سے موت سے دوچار کیوں ہونا پڑا؟ یہ تو انصاف نہیں۔''

نیلے آدمی نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ ''ایمانداری یا انصاف زندگی و موت کا فیصلہ نہیں کرتے۔ اگر ایسا

ہونے لگے تو دنیا میں کوئی بھی اچھا انسان جوانی میں موت سے دو چار نہ ہو۔"

اس نے اپنی ہتھیلی کو ہوا میں لہرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک قبرستان میں تھے جہاں کچھ لوگ سوگوار کھڑے تھے۔ قبر کے ساتھ پادری بائبل میں سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ ایڈی وہاں پر موجود لوگوں کے چہرے دیکھنے سے قاصر تھا اور اسے ان لوگوں کے ہیٹوں اور سیاہ ماتمی لباسوں کے صرف عقبی حصے دکھائی دے رہے تھے۔

"یہ میری تدفین ہے۔" نیلے آدمی نے کہا۔ "سوگواروں کی طرف دیکھو۔ ان میں سے کچھ لوگ مجھے جانتے تک نہیں لیکن وہ آئے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا تمہیں کبھی حیرت ہوئی؟ جب کوئی مرتا ہے تو لوگ جمع کیوں ہوتے ہیں؟ لوگ کیوں سمجھتے ہیں کہ انہیں جانا چاہیے؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی روح اپنی تمام تر گہرائی کے ساتھ جانتی ہے کہ تمام زندہ چیزیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ موت صرف کسی کو لے کر نہیں جاتی بلکہ وہ کسی کو چھوڑ بھی جاتی ہے اور یوں موت کی جانب سے اٹھائے جانے اور چھوڑے جانے کے درمیان بہت مختصر فاصلہ ہوتا ہے جس کے بیچ زندگیاں بدلتی ہیں۔"

"تم سوچ رہے ہو گے کہ میری جگہ تمہیں مرنا چاہیے تھا۔ لیکن جب میں زمین پر تھا تو دوسرے لوگ بھی میری جگہ مرتے تھے۔ یہ روزانہ ہوتا ہے۔ جب آسمانی برق اس جگہ پر گرتی ہے جہاں چند لمحے قبل آپ موجود تھے یا وہ ہوائی جہاز تباہ ہو جاتا ہے جس میں آپ موجود ہو سکتے تھے تو اس کا مطلب ہے کہ موت آپ کو چھوڑ گئی اور کسی اور کو لے گئی ہے۔ جب آپ کے دوست بیمار ہوتے اور مر جاتے ہیں لیکن آپ زندہ رہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ بس یونہی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ توازن قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ کوئی ختم ہو جاتا ہے اور کوئی پھلتا پھولتا ہے۔ زندگی اور موت ایک ہی کُل کا جزو ہیں۔"

"یہی وجہ ہے کہ ہم سب بچوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔" وہ سوگواروں کی طرف مڑا۔ "اور تدفین میں جاتے ہیں۔"

ایڈی ایک بار پھر قبرستان کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ پتہ نہیں اس کی تجہیز و تکفین بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ اس نے دیکھا کہ پادری بائیبل سے آیات پڑھنے میں مشغول تھا اور سوگواروں نے اپنے سر جھکا رکھے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب بیسیوں سال پہلے نیلے آدمی کی تدفین عمل میں آئی تھی۔

ایڈی بھی وہاں تھا جو اس وقت ایک ننھا بچہ تھا اور لاابالی انداز میں اس سارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ اس نے اس سارے عمل میں کیا کردار ادا کیا تھا۔

"لیکن میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا کہ آپ کی موت سے کیا اچھی چیز برآمد ہوئی؟" ایڈی نے پوچھا۔

"تم زندہ رہے۔" نیلے آدمی نے جواب دیا۔

"لیکن ہم تو بمشکل ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ میں تو اب بھی آپ کے لیے ایک اجنبی ہوں۔"

نیلے آدمی نے ایڈی کے کاندھوں پر ہاتھ رکھا۔ ایڈی کو ایک حرارت اور ایک پگھلا دینے والی سنسنی محسوس ہوئی۔

"اجنبی ایک خاندان کا ہی حصہ ہوتے ہیں جس کے بارے میں تمہیں جلد پتہ چلے گا۔" نیلا آدمی بولا۔

اس کے ساتھ ہی نیلے آدمی نے ایڈی کو اپنی جانب کھینچا۔ ایک دم ایڈی کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ، وہ تمام کچھ محسوس کر رہا ہے جو نیلے آدمی نے اپنی زندگی میں کیا تھا اور وہ تمام محسوسات اس کے اندر داخل ہو رہی ہیں اور سب کچھ اس کے اندر تیر رہا ہے جیسے تنہائی، شرمندگی، گھبراہٹ، ہارٹ اٹیک وغیرہ۔ یہ سب کچھ اس کے اندر ایسے داخل ہوا جیسے کوئی دراز بند کی گئی ہو۔

"میں جا رہا ہوں۔" نیلے آدمی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "جنت کا یہ زینہ اب میرے لیے اختتام پذیر ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تمہاری اور لوگوں سے بھی ملاقات ہوگی۔"

"ایک منٹ رکو۔" ایڈی جلدی سے بولا۔ "صرف ایک چیز بتا دو۔ کیا میں نے اُس ننھی لڑکی کو بچا لیا تھا۔ اس پارک میں۔ کیا وہ بچ گئی؟"

نیلے آدمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایڈی غمزدہ ہو گیا۔ "پھر تو میری موت بھی میری زندگی کی طرح ضائع ہو گئی۔"

"کوئی زندگی ضائع نہیں ہوتی۔" نیلا آدمی بولا۔ "زندگی میں ہمارا وہی وقت ضائع ہوتا ہے جب ہم سوچتے ہیں کہ ہم تنہا ہیں۔"

پھر وہ اپنی قبر کے پیچھے گیا اور مسکرایا اور جب اس نے ایسا کیا تو اس کی جلد بہت خوبصورت

دودھیا رنگ میں تبدیل ہوگئی۔ نہایت لطیف اور نرم و نازک۔ ایڈی کے خیال میں اس نے اس سے زیادہ خوبصورت جلد زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''رکو۔'' ایڈی چلایا۔ لیکن وہ اچانک ہوا میں بلند ہوگیا اور قبرستان سے دور جانے لگا۔ وہ سمندر کی جانب رواں دواں تھا۔ نیچے اسے روبی پائیر کی پرانی چھتیں دکھائی دیں جو مختلف انداز اور طرز تعمیر کی تھیں۔ پارک میں جھنڈے پھڑ پھڑا رہے تھے جو خوبصورتی کے لیے لگائے گئے تھے۔

پھر یہ سب کچھ غائب ہوگیا۔

اتوار، سہ پہر تین بجے

ادھر پارک میں ایک مجمع تھا جو خاموشی سے حادثے کے شکار جھولے 'فریڈی فری فال' کی جانب دیکھ رہا تھا۔ عورتیں اپنے کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں جبکہ اپنے بچوں کو وہاں سے دور ہٹا رہی تھیں۔ کچھ جوان آدمی اور جسیم مرد ملبے کے سامنے آ کر کھڑے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ جیسے وہ اس معاملے میں کچھ مدد کر سکتے تھے تاہم ملبے کی جانب دیکھنے کے بعد وہ خود کو بے بس پا رہے تھے۔ سورج اپنی بھر پور شدت کے ساتھ چمک رہا تھا اور سائے گہرے ہو چکے تھے جس کی وجہ سے لوگوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے جیسے سیلوٹ کر رہے ہوں۔

افسوس، کیسا المناک حادثہ ہے۔ مجمع سرگوشیاں کر رہا تھا۔

مجمع کے عقب سے ڈومینگز لوگوں کو چیرتا ہوا سامنے آیا۔ اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور اس کی وردی پسینے سے شرابور تھی۔ اس نے تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

''اوہ نہیں، نہیں ایڈی۔'' ڈومینگز رونے لگا اور اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ سیکیورٹی کا عملہ بھی پہنچ گیا۔ انہوں نے لوگوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ لیکن پھر وہ خود بھی بے بسی کا مجسمہ دکھائی دینے لگے اور اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر ایمبولینس کا انتظار کرنے لگے۔ اس طرح وہاں پر موجود تمام افراد مائیں، باپ اور بچے اپنے سوڈا ڈرنک اڑاتے ہوئے سوچ میں پڑ گئے کہ وہاں کھڑے رہیں یا چلے جائیں۔ ان کے سامنے موت کا منظر دکھائی دے رہا تھا اور میلے میں ایک سوگواری چھائی ہوئی تھی اور پارک کی مخصوص دھن بج رہی تھی۔

یہ خاصا المناک واقعہ تھا۔ پھر سائرن کی آوازیں سنائی دیں۔ یونیفارم میں ملبوس افراد وہاں پہنچ گئے۔ علاقے کے ارد گرد ایک پیلی ٹیپ لگا دی گئی جو کہ کرائم سین کا منظر پیش کرتی تھی۔ نشانہ بازی کے مرکز کے گیٹ بند کر دیے گئے۔ جھولوں کو بھی غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیا گیا۔ المناک واقعے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور شام تک روبی پارک خالی ہو گیا۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

''ایڈی اپنے بیڈروم حتیٰ کہ بند دروازوں کے پیچھے سے بھی گوشت کے بھنے کبابوں کی خوشبو محسوس کر سکتا ہے جو کہ اس کی ماں ہری مرچوں اور میٹھی سرخ پیازوں کے ساتھ بھون رہی ہے اور اس کی مہک دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔

''ایڈی۔۔۔'' اسکی ماں کچن سے چلاتی ہے۔تم کہاں ہو؟ سب یہاں پر موجود ہیں۔''

اس نے گدا لپیٹا اور کامک بک کو ایک طرف دھر دیا۔وہ سترہ سالہ کا ہو چکا ہے اور اس طرح کی کامک بکس کی اس کی عمر گذر چکی ہے تاہم وہ اب بھی اس قسم کی کتابوں میں دلچسپی رکھتا ہے جس میں کامک ہیروز جیسے فینٹم کو خراب لوگوں سے لڑتا اور دنیا کو تباہی سے بچاتا دکھایا جاتا ہے۔وہ اپنا زیادہ تر ذخیرہ اپنے کم عمر کزنوں کو دے چکا ہے جو چند ماہ قبل ہی رومانیہ سے امریکہ آئے ہیں۔ایڈی کی فیملی نے ان سے گودی پر ملاقات کی اور وہ اس کمرے میں آ گئے جو ایڈی، جو اور اس کی ماں کا ہے۔اس کے کزن انگریزی نہیں بول سکتے تاہم انہیں کامک کتابیں پسند آئیں۔ان کتابوں کی وجہ سے وہ ہر وقت ایڈی کے ارد گرد رہتے ہیں۔

''واہ، آج تو لڑکے کی سالگرہ ہے۔'' اس کی ماں چہکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی جہاں ایڈی بنا ٹھنا موجود ہے۔اس نے بٹن ڈاؤن سفید قمیض کے ساتھ نیلی ٹائی لگا رکھی ہے جس نے اس کی پٹھے دار مضبوط گردن کو بھینچ رکھا ہے۔وہاں پر سب مہمان جمع ہیں جن میں خاندان، رشتہ دار، دوست احباب اور پارک کے کارکن سب شامل ہیں۔کمرے میں ہیلو ہائے کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور سب اپنے اپنے بیئر کے گلاس ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ایڈی کا باپ ایک کونے میں کارڈ کھیل رہا ہے اور ان کے سروں پر سگار کا دھواں پھیلا ہوا ہے۔

''اے ماں، کیا آپ کو پتہ ہے؟'' بڑا بھائی جو چلا کر کہا۔''ایڈی نے رات ایک لڑکی سے

ملاقات کی ہے۔"

"اوہ، واقعی؟"

ایڈی کے خون کی روانی تیز ہوگئی۔

"ہاں، کہتا ہے کہ اس لڑکی سے شادی کرے گا۔"

"بک بک بند کرو۔" ایڈی نے منہ بنایا۔

جو نے اسے نظرانداز کیا۔ "اس نے مجھے خود بتایا ہے۔ یہ خوشی سے جھومتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ ایک لڑکی سے ملا ہے جسے اپنی دلہن بنائے گا۔"

"میں نے کہا چپ ہو جاؤ۔" ایڈی چڑ کر بولا۔

"ایڈی، اس کا نام کیا ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"کیا وہ چرچ جاتی ہے؟"

ایڈی اپنے بھائی کی طرف بڑھا اور زور سے اس کے بازو پر مکا مارا۔

"آؤچ۔۔۔"

"ایڈی!!!"

"میں نے تمھیں کہا تھا کہ چپ کر جاؤ۔"

"اور اس نے اس کے ساتھ ڈانس بھی کیا تھا۔" جو نے ایک بار پھر چلا کر کہا۔

"دھاؤں۔۔۔"

"آؤچ۔۔۔"

"شٹ اپ۔"

"ایڈی، رک جاؤ۔"

اب ان کے رومانوی کزن بھی ان کی جانب دیکھ رہے تھے اور ان کی دھینگا مشتی کو سمجھنے لگے تھے جبکہ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دبوچ رکھا تھا اور وہ ایک دوسرے کو کھینچنے میں لگے ہوئے تھے۔ وہ صوفے سے بھی گر چکے تھے۔ آخر ایڈی کے باپ نے سگار اپنے منہ سے نکالا اور چلایا۔

"بند کرو یہ دھینگا مشتی، ورنہ دونوں کو ایک ایک لگاؤں گا۔"

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا اور اپنے کپڑے درست کرنے لگے۔ کچھ پرانے

رشتہ دار مسکرانے لگے۔

ایک خالہ نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ یقیناً اس لڑکی کو پسند کرتا ہوگا۔''

بعد میں جب گوشت کے سپیشل کباب اور سٹیک کھائے جا چکے اور موم بتیاں گل کی جا چکیں اور زیادہ تر مہمان اپنے گھروں کو جا چکے تو ایڈی کی ماں ریڈیو کی جانب متوجہ ہوئی۔ اس میں یورپ میں جنگ کے حوالے سے خبریں چل رہی تھیں اور ایڈی کا باپ کہہ رہا تھا کہ اگر جنگ نے طول پکڑ لیا تو پارک کے جھولوں کے لیے لمبر اور کاپر کی تاریں ملنا مشکل ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے پارک کے جھولوں کی مرمت ناممکن ہو جائے گا۔

''کیسی بُری خبریں ہیں۔'' اس کی ماں کے منہ سے نکلا۔ ''کم از کم برتھ ڈے کے موقع پر تو ایسی خبریں نہ سناؤ۔''

اس نے ریڈیو کی ناب گھمائی حتیٰ کہ ایک سٹیشن سے موسیقی کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ ایک آرکسٹرا خوبصورت دھن بجا رہا تھا۔ ایڈی کی ماں مسکرانے لگی اور ساتھ ساتھ گنگنانے لگی۔ پھر وہ ایڈی کی طرف آئی جو اس وقت کرسی پر نیم دراز کیک کا آخری ٹکڑا کھا رہا تھا۔ اس نے اپنا ایپرن اتارا اور کرسی کے پیچھے تہہ کر کے ٹانگ دیا۔ پھر اس نے ایڈی کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

''مجھے بتاؤ، تم نے اپنی دوست کے ساتھ کیسے ڈانس کیا تھا؟'' وہ کہتی ہے۔

''اوہ ماں۔۔۔''

''آؤ ناں۔''

ایڈی یوں کھڑا ہوا جیسے کسی سزا کے لیے جا رہا ہے۔ اس کا بھائی اس کا منہ چڑانے لگا۔ لیکن اس کی ماں اپنے خوبصورت گول چہرے کے ساتھ گنگناتی رہی اور رقص کے انداز میں پیروں کو آگے پیچھے کرنے لگی، حتیٰ کہ ایڈی بھی خود بخود اس کے ساتھ رقص میں شریک ہو گیا۔

''لالا۔۔۔لالا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈی'' وہ موسیقی کے ساتھ گنگنانے لگی۔ ''جب تم میرے ساتھ ہوتے ہو۔ ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈی۔۔۔ چاند اور ستارے۔۔۔ڈا۔۔۔ڈی۔۔۔''

وہ پورے کمرے کے اندر رقص کے انداز میں گردش کر رہے تھے، یہاں تک کہ ایڈی کی ہمت جواب دے گئی اور وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ وہ پہلے ہی اپنی ماں سے کم از کم چھ انچ اونچا تھا لیکن وہ آسانی کے ساتھ اس کے ساتھ رقص میں مصروف تھی۔

''اچھا، توتم اس لڑکی کو پسند کرتے ہو۔'' اس نے سرگوشی کی۔

ایڈی کا رقص تھم گیا۔

''اس میں کوئی غلط بات نہیں۔'' وہ کہتی ہے۔ ''میں تم سے خوش ہوں۔''

وہ گھومتے ہوئے میز کے پاس آ گئے جہاں ایڈی کی ماں نے جو کا بھی ہاتھ تھاما اور اسے اٹھایا۔

''چلو اب تم دونوں ڈانس کرو۔'' وہ کہتی ہے۔

''اس کے ساتھ؟''

''ہاں!''

تاہم ماں کا اصرار جاری رہا اور دونوں بھائیوں نے جھجکتے ہوئے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا لیکن پھر وہ دونوں زور زور سے ہنسنے لگے اور ایک دوسرے پر گرنے پڑنے لگے۔ آخر دونوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما اور رقص کے انداز میں ایک دائرے میں گھومنے لگے۔ اب دونوں میزوں کے اردگرد رقص میں مشغول ہیں۔ ریڈیو پر کانوں میں رس گھولنے والی دھن بج رہی ہے اور ان کے رومانوی کزن ان کی طرف دیکھ کر زور زور سے تالیاں بجا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کبابوں اور سٹیک کی مہک کی آخری لہر بھی ہوا میں گم ہو جاتی ہے۔

جنت میں دوسرے فرد سے ملاقات

ایڈی نے محسوس کیا کہ اس کے پاؤں زمین کو چھو رہے تھے۔ آسمان دوبارہ رنگ بدل رہا تھا اور گہرے نیلے رنگ سے ہلکا سرمئی ہو چکا تھا۔ ایڈی نے دیکھا کہ اس کے گرد درخت گر پڑے ہیں اور ہر طرف سیاہ ملبہ ہے۔ اس نے اپنے بازوؤں، کندھوں، رانوں اور دھڑ کو چھوا۔ وہ خود کو پہلے سے زیادہ مضبوط محسوس کر رہا تھا۔ لیکن جب اس نے جھک کر اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو چھونے کی کوشش کی تو وہ ایسا نہ کر سکا۔ وہ لچک غائب ہو چکی تھی۔ اب اس کے جسم میں بچوں جیسی سنسنی نہ تھی۔ جسم کا ہر پٹھہ اس طرح سخت تھا جیسے پیانو کی تاریں ہوتی ہیں۔

اس نے اپنے اردگرد بے جان میدان کو دیکھا۔ ایک قریبی پہاڑی پر ایک بڑی ویگن کھڑی تھی اور قریب ہی کسی جانور کی گلتی سڑتی ہڈیاں پڑی تھیں۔ ایڈی نے محسوس کیا کہ تیز گرم ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ آسمان ایک دھماکے کے ساتھ پیلے رنگ میں بدل گیا۔

ایک بار پھر ایڈی دوڑنے لگا۔

اس بار وہ مختلف انداز میں دوڑ رہا تھا یعنی ایک فوجی کے انداز میں نپے تلے قدموں کے ساتھ۔ اسے ایک زوردار آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی دھماکہ ہوا ہو یا کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ اس نے خود کو زمین پر گرا لیا۔ ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ وہ پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا اور بازوؤں کو زمین پر ٹکاتے ہوئے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ پھر آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا اور ساتھ ہی موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ یہ بھورے رنگ کی بارش تھی۔ ایڈی نے اپنے سر کو نیچے کر لیا اور مٹی پر آگے کی طرف رینگنے لگا۔ وہ اپنے منہ میں آنے والے مٹیالے اور گندے پانی کو تھوک رہا تھا۔

آخر کار اس نے محسوس کیا کہ اس کا سر کسی سخت شے سے چھو رہا ہے۔ اس نے اوپر دیکھا تو ایک رائفل کو زمین میں گڑا پایا جس کے سرے پر ایک ہیلمٹ دھرا تھا جبکہ دستی کے ساتھ ڈاگ ٹیگ لگے

ہوئے تھے۔بارش میں آنکھیں جھپکاتے اور دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے ڈاگ ٹیگ کو چھوا۔پھر وہ ایک دم کو پیچھے کی طرف ہٹنے لگااور ایک سوراخ دار دیوار کے نیچے آ گیا جس کے ساتھ لگے بانیان کے درخت پرانگوروں کی ایک بیل چڑھی ہوئی تھی۔اس نے خود کواندھیرے میں کرلیا۔وہ اپنے گھٹنوں کوموڑ کر بیٹھ گیااور اپنی سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔خوف کی لہر نے جنت میں بھی اسے جالیا تھا۔

ڈاگ ٹیگ پراس کا نام لکھا ہوا تھا۔

جوان آدمی جنگوں کے لیے جاتے ہیں۔بعض اوقات توانہیں اس کے لیے جانا پڑتا ہے اور بعض اوقات وہ خود ایسا چاہتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ انکا فرض ہے۔اس سے زندگی کی اداس اور پرت در پرت کہانیاں جنم لیتی ہیں جس کے دوران کبھی توہتھیار اٹھانے کے عمل میں بہادری کے ساتھ شش و پنج کا اظہار کیا جاتا ہے اور کبھی ہتھیار پھینکنے کو بزدلی کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے۔

ایڈی کا ملک جب جنگ میں داخل ہوا تو یہ ایک بارش برساتی صبح تھی جب بھر پور شیو اور تراشے ہوئے بالوں کے ساتھ جنگ کے لیے اس کا نام فہرست میں شامل ہو چکا تھا۔

اس کی ماں نہیں چاہتی تھی کہ وہ جنگ کے لیے جائے۔اس کے باپ کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنا سگریٹ سلگا لیا اور دھیرے سے دھواں خارج کیا۔

''کب جانا ہے؟''اس کا مختصر سوال تھا۔

چونکہ ایڈی نے کبھی زندگی میں اصلی رائفل نہیں چلائی تھی،اس لیے وہ روبی پارک کے نشانہ بازی کے مرکز میں نشانہ بازی کی مشق کرنے لگا۔اس نشانہ بازی مرکز میں آپ ایک ٹوکن ڈالتے ہیں تو مشین زور سے بجتی ہے اور آپ ٹریگر دباتے ہوئے سامنے لگی ہوئی جانوروں جیسے شیروں اور زرافوں کی تصاویر پر فائر کرتے ہیں۔لی فوکس کی کھلونا ریلوے کے بریک لیورز درست کرنے کے بعد وہ ہر شام کو وہاں جاتا۔روبی پارک میں کئی نئی اور چھوٹی دلچسپی کی چیزیں آ چکی تھیں کیونکہ گریٹ ڈپریشن کے بعد سے رولر کوسٹر کا جھولا بہت مہنگا پڑنے لگا تھا۔اس کے مقابلے میں منی ایچر ریل کا زیادہ فائدہ تھا جس میں ریل کے ڈبے ایک بالغ آدمی کی کمر تک بھی نہیں پہنچتے تھے۔

ایڈی جنگ کے لیے اپنا نام درج کرانے سے پہلے انجینئرنگ کی تعلیم کے لیے پیسے جوڑ رہا تھا۔

یہ اس کا مقصد تھا۔ وہ چیزیں تیار کرنا چاہتا تھا حالانکہ اس کا بڑا بھائی جو اکثر اس کا مذاق اڑاتا اور کہتا۔

''بس کرو ایڈی، تم اتنے سمارٹ نہیں کہ یہ کام کرسکو۔''

لیکن جب جنگ شروع ہوگئی تو پارک کا بزنس مندا ہوگیا۔ اب پارک میں زیادہ تر گا ہگ عورتیں اور ان کے بچے تھے جن کے خاوند جنگ پر جاچکے تھے۔ بعض اوقات بچے ایڈی کو کہتے کہ وہ انہیں اوپر اٹھائے اور سر سے اوپر لے کر جائے اور جب وہ ان کی خواہش پوری کرتا تو ان کی ماؤں کے چہروں پر ایک اداس مسکراہٹ ہوتی۔ وہ محسوس کرتا کہ وہ بچوں کو اٹھاتا تو ٹھیک تھا لیکن جو ہاتھ انہیں اٹھاتے تھے، وہ ٹھیک نہیں تھے۔ جلد ہی ایڈی نے محسوس کیا کہ اسے بھی جنگ کے لیے جانا ہوگا اور اس کی ٹریکس کو گریس لگانے اور بریکوں کو درست کرنے پر مشتمل زندگی ختم ہوجائے گی۔ جنگ اس کے لیے مردانگی دکھانے کا ایک موقع تھی۔ شاید کوئی اسے بھی مس کرے گا۔

جنگ پر جانے سے کچھ عرصہ پہلے تک ایڈی رات کو نشانہ بازی کے مرکز میں رائفلوں پر جھکا ہوتا اور پوری توجہ کے ساتھ فائرنگ میں مشغول ہوتا۔ ٹھاہ! ٹھاہ!۔ وہ تصور کرتا کہ وہ اپنے حقیقی دشمنوں پر گولی چلا رہا ہے۔ ٹھاہ!۔ جب وہ انہیں گولی مارے گا تو کیا وہ چلائیں گے۔ ٹھاہ!۔ یا وہ شیروں اور زرافوں کی طرح گر جائیں گے۔

ٹھاہ! ٹھاہ!

''قتل کرنے کی مشق کر رہے ہو؟''

اسے عقب سے مکی شیا کی آواز سنائی دی۔ وہ ایڈی کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے بالوں کا رنگ فرنچ ونیلا آئس کریم جیسا تھا جو اس وقت پسینے سے تر تھے اور چہرہ کوئی مشروب پینے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایڈی نے کندھے اچکائے اور دوبارہ نشانہ بازی میں مشغول ہوگیا۔ ٹھاہ! اس نے ایک اور نشانہ صحیح لگایا تھا۔ ٹھاہ! ایک اور درست نشانہ۔

''ہمم۔۔۔'' مکی نے ہنکارا بھرا۔

ایڈی چاہتا تھا کہ مکی وہاں سے چلا جائے تا کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ نشانہ لے سکے۔ وہ اپنے پیچھے ایک پرانے شرابی کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس کی تیز سانسوں کی آواز سن سکتا تھا۔ اس کی ناک سے دھونکنی جیسی آوازیں نکل رہی تھیں یا جیسے کسی سائیکل کے ٹائر سے ہوا نکل رہی ہو۔

ایڈی گولیاں چلاتا رہا۔ اچانک اسے اپنے کندھے پر سخت گرفت محسوس ہوئی۔

''میری بات سنو،لڑکے۔'' مکی نے ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا۔''جنگ کوئی کھیل نہیں ہے۔ جب آپ نے گولی چلانی ہے تو چلانی ہے۔سنا تم نے؟ کسی احساس گناہ اور ہچکچاہٹ کا کوئی سوال نہیں۔آپ فائر پر فائر کرتے ہیں، یہ سوچے بغیر کہ آپ کس پر فائر کرر ہے ہیں یا کس قتل کرر ہے ہیں اور کیوں کرر ہے ہیں۔تم نے سنا؟ تم دوبارہ اپنے گھر آنا چاہو گے۔لہٰذا تم صرف فائر کرتے ہو اور کچھ نہیں سوچتے۔''

اس نے اس کا کندھا اور سختی سے دبایا۔

''یہ سوچ ہے جو انسان کو مرواتی ہے۔''

ایڈی نے مڑ کر مکی کی طرف گھورا۔مکی نے اس کے گال پر زور سے چپت لگائی اور ایڈی نے فطری طور پر ردعمل کے لیے گھونسہ بنایا۔تاہم مکی تیار تھا۔وہ پیچھے ہٹ گیا۔پھر اس نے ایڈی کی طرف دیکھا جیسے وہ رونے والا ہو۔مشینی گن کی آواز خاموش ہوگئی۔ایڈی کے ٹوکن ختم ہو چکے تھے۔

جوان آدمیوں کو بعض اوقات جنگ کے لیے جانا پڑتا ہے اور بعض اوقات وہ خود جنگ پر جانا چاہتے ہیں۔چند روز بعد ایڈی نے اپنا ڈفل بیگ اٹھایا اور پارک کو چھوڑ کر جنگ کے لیے روانہ ہو گیا۔

بارش رک گئی۔ایڈی کپکپا رہا تھا اور گھنے برگد تلے بھیگ رہا تھا۔وہ بڑی مشکل اور لمبی سانسیں لے رہا تھا۔اس نے انگور کے گچھوں کو درمیان سے ہٹایا اور رائفل اور ہیلمٹ کو دیکھا جو بدستور زمین میں پیوست تھا۔وہ سوچنے لگا کہ آخر فوجی ایسا کیوں کرتے ہیں۔یہ ان کے لیے قبر کے نشان کی طرح ہوتا ہے۔

وہ اپنے گھٹنوں کے بل چلتا ہوا آگے بڑھا۔کچھ فاصلے پر اسے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے نیچے ایک گاؤں کے آثار دکھائی دیے جو بمباری اور آتش باری کے نتیجے میں تباہ و برباد ہو چکا تھا اور صرف ملبہ ہی رہ گیا تھا۔ایک لمحے کے لیے ایڈی وہاں پر گھورتا رہا،اس کا منہ تھوڑا سا کھل گیا اور آنکھیں اس منظر کا سختی سے احاطہ کرنے لگیں۔پھر اس کا سینہ ایک ایسے آدمی کی طرح سخت ہو گیا جس نے ابھی ابھی کوئی بُری خبر سنی ہو۔وہ اس جگہ کے بارے میں جانتا تھا۔یہ جگہ ہمیشہ اسے خوابوں میں آ کر ڈراتی رہی تھی۔

''چیچک۔'' اچانک اسے ایک آواز سنائی دی۔

ایڈی مڑا۔

''چیچک، ٹائیفائیڈ، تشنج، زرد بخار۔''

یہ آواز اوپر سے آ رہی تھی۔ کسی درخت کے اندر سے۔

''مجھے کبھی پتہ نہیں چلا کہ یہ زرد بخار آخر کیا ہے۔ لعنت ہے۔ میں نے آج تک زرد بخار کے کسی مریض کو بھی نہیں دیکھا۔''

آواز بہت مضبوط تھی اور کسی حد تک بھاری ہو چکی تھی جیسے کوئی آدمی گھنٹوں چیختا چلاتا رہا ہو۔

''میں نے ان تمام بیماریوں کے ٹیکے لگوا لیے تھے اور میں ہر حالت میں یہاں پر ہی مروں گا، گھوڑے کی طرح تندرست حالت میں۔''

پھر درخت ہلنے لگا اور اس میں کچھ چھوٹے چھوٹے پھل نیچے گرے۔

''کیا تمہیں سیب پسند ہیں؟'' آواز آئی۔

ایڈی کھڑا ہو گیا اور اپنا گلہ صاف کیا۔

''باہر آ جاؤ۔'' اس نے کہا۔

''اوپر آ جاؤ۔'' آواز آئی۔

اور ایڈی درخت کے اوپر تھا اور چوٹی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہ درخت اتنا بلند تھا جیسے کوئی بلند عمارت ہو۔ ایڈی نے ایک بڑی شاخ سے اپنی ٹانگیں لپیٹ رکھی تھیں اور نیچے اسے بہت نیچے دکھائی دے رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی شاخوں اور انجیر کے موٹے پتوں کے درمیان اسے فوجی لباس میں ایک شخص کا سایہ نما وجود دکھائی دے رہا تھا۔ وہ درخت کے تنے پر چڑھا بیٹھا تھا۔ اس نے چہرے پر تارکول جیسا کوئی سیاہ مادہ مل رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں چھوٹے چھوٹے سرخ بلبوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

ایڈی نے بمشکل تھوک نگلا۔

''کیپٹن؟'' اس نے سرگوشی کی۔ ''یہ تم ہو؟''

وہ دونوں اکٹھے فوج میں رہ چکے تھے۔ کیپٹن، ایڈی کا کمانڈنگ آفیسر تھا۔ انہوں نے فلپائن کے محاذ پر لڑائی میں حصہ لیا تھا اور وہ وہیں پر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے جس کے بعد سے ایڈی نے

اسے دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔اس نے سنا تھا کہ وہ جنگ میں مارا جا چکا ہے۔

سگریٹ کے دھوئیں کا ایک مرغولہ اس کے سامنے ظاہر ہوا۔

"تمہیں اصول سمجھائے گئے تھے، جوان؟"

ایڈی نے نیچے دیکھا۔زمین بہت دور دکھائی دے رہی تھی تاہم وہ جانتا تھا کہ وہ گرے گا نہیں۔

"میں مردہ ہوں۔" وہ بولا۔

"تم صحیح کہتے ہو۔"

"اور تم بھی مردہ ہو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور تم میرے سیکنڈ پرسن ہو۔"

کیپٹن نے اپنا سگریٹ پکڑا۔وہ مسکرایا جیسے کہنا چاہتا ہو۔"کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ میں یہاں بھی سگریٹ پی سکتا ہوں۔" پھر اس نے ایک لمبا کش لیا اور سفید دھوئیں کا مرغولہ منہ سے خارج کیا۔

ایڈی حیرانی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ایڈی نے جنگ کے دوران بہت سی نئی چیزیں سیکھیں۔اس نے ٹینک کے اوپر سواری کرنا سیکھا۔اس نے ہیلمٹ پہنے پہنے برف جیسے ٹھنڈے پانی سے شیو کرنا سیکھا۔اس نے سیکھا کہ فاکس ہول سے فائرنگ کرتے ہوئے محتاط رہو، یہاں نہ ہو کہ گولیاں کسی درخت سے ٹکرائیں اور تیز دھار لکڑی کے ٹکڑے آپ کو زخمی کر دیں۔

اس نے سگریٹ پینا سیکھا۔اس نے مارچ کرنا سیکھا۔اس نے سیکھا کہ کس طرح ایک فوجی کا بھر کم سامان اور تھیلے بشمول اوورکوٹ، ریڈیو، کاربین، گیس ماسک، مشین گن کے لیے ٹرائی پوڈ اور اس قسم کا دیگر ضروری سامان کندھوں اور کمر پر لاد کر رسیوں سے بنے پل کو عبور کرنا ہے۔اس نے سیکھا کہ کس طرح اسے زندگی کی بدترین کافی کو زہر مار کر پینا ہے جو وہ عام حالات میں دیکھنا بھی پسند نہ کرے۔

اس نے غیر ملکی زبان کے کچھ الفاظ بھی سیکھے۔اس نے دور تک تھوکنا سیکھا۔اس نے اس فوجی کی

خوشی کے جشن کو سیکھا جو کسی انفرادی جنگی لڑائی میں زندہ بچ جاتا ہے جب فوجی ایک دوسرے کو دھپ لگا رہے ہوتے ہیں اور ہنس کھیل رہے ہوتے ہیں جیسے جنگ ختم ہو چکی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ گھر جا سکتے ہیں اور پھر اس نے ایک فوجی کے اس ڈپریشن کے بارے میں جانا جو کہ اپنی دوسری لڑائی میں شرکت کے لیے محاز پر جارہا ہوتا ہے جب اسے پتہ چلتا ہے کہ جنگ ایک لڑائی (کومبیٹ) کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد بھی لڑائیوں پر لڑائیاں چلتی رہتی ہیں۔

اس نے دانتوں کے نیچے انگلی دبا کر سیٹی بجانا سیکھا۔ اس نے پتھریلی چٹانوں پر سونا سیکھا۔ اس نے کھجلی پیدا کرنے والی ان جوؤں اور کھٹملوں کے بارے میں سیکھا جو آپ کی جلد میں گھر بنا لیتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب آپ نے ایک ہی گندا اور میلا کچیلا لباس ایک ہفتے سے پہن رکھا ہو۔ اس نے سیکھا کہ جب آدمی کی ہڈیاں اس کی جلد پھاڑ کر باہر آتی ہیں تو کیسی دودھیا سفید ہوتی ہیں۔

اس نے جلدی جلدی دعا کرنا سیکھا۔ اس نے سیکھا کہ اس نے کس جیب میں اپنے خاندان اور مارگریٹ کے لیے لکھے گئے خطوں کو رکھنا ہے تاکہ اگر وہ جنگ کے دوران مارا جائے تو اس کے ساتھی ان خطوں کو نکال کر متعلقہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔ اس نے سیکھا کس طرح آپ خندق میں کسی ساتھی فوجی کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں جو کسی دوسرے فوجی یا آپ سے بھوک کی شکایت کر رہا تھا اور پھر اچانک دھائیں ٹھاہ کی آواز آتی ہے اور وہ فوجی پھڑک کر آپ کے اوپر گرتا ہے اور اس کی کھوپڑی اڑ جاتی ہے۔ اب بھوک کا کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔

اس نے سیکھا کہ کیسے ایک سال گذرتا ہے، ایک سال دو سال بن جاتے ہیں اور پھر تین سال ہو جاتے ہیں اور پھر طاقتور ترین اور مضبوط ترین شخص بھی اس وقت اپنے جوتوں پر قے کر دیتا ہے جب اسے ٹرانسپورٹ طیارے سے اتارا جارہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جنگی محاز پر جانے سے پہلے آفیسر بھی نیند میں بولنے لگتے ہیں۔

اس نے سیکھا کہ کسی دشمن فوجی کو جنگی قیدی کیسے بنانا ہے تاہم اس نے یہ کبھی نہ سیکھا کہ خود جنگی قیدی کیسے بننا ہے۔ پھر ایک رات جب وہ فلپائن کے ایک جزیرے پر تھے تو ان کے گروپ پر زبردست فائرنگ ہونے لگی۔ وہ پناہ کے لیے ادھر ادھر ہو گئے اور آسمان روشنی سے جگمگا گیا جب ایڈی کو آواز آئی کہ خندق میں موجود اسکا ایک ساتھی بچوں کی طرح رو رہا ہے تو وہ اسے چلا کر کہنے لگا۔ ''تم چپ نہیں کرو گے؟'' اور پھر اسے پتہ چلا کہ وہ فوجی اس لیے رو رہا تھا کیونکہ ایک دشمن فوجی اس کے سر پر

کھڑا تھا اور اس نے رائفل اس کے سر پر تان رکھی تھی۔ تب ایڈی نے محسوس کیا کہ اس کی گردن سے بھی کوئی سرد شے چھو رہی ہے۔ ایک دشمن فوجی اس کے سر پر بھی تھا۔

کیپٹن نے سگریٹ نکالا۔ وہ ایڈی کے فوجی گروپ میں سب سے زیادہ عمر کا تھا۔ وہ ایک پکا فوجی آدمی تھا جس کا قد لمبا اور ٹھوڑی بہت نمایاں تھی جس سے وہ اس زمانے کا کوئی فلمی ستارہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے زیادہ تر ساتھی اس کو پسند کرتے تھے، حالانکہ وہ بہت جلد ہتھے سے اکھڑ جاتا تھا اور آپ کے چہرے کے اوپر چہرہ لا کر چلاتا تھا جس سے آپ کو اس کے دانت بھی دکھائی دیتے جو کہ تمباکو سے کالے ہو رہے ہوتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کیپٹن ہمیشہ وعدہ کرتا کہ وہ کسی کو پیچھے نہیں چھوڑے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اور اس سے ساتھیوں کو حوصلہ ملتا۔

''کیپٹن۔'' ایڈی نے ایک بار پھر کہا جو بدستور حیرانی سے دوچار تھا۔

''ہاں۔''

''سر!!!''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن بہرحال۔''

''لگتا ہے کہ آپ۔۔۔ یوں دکھائی دیتے ہیں۔''

''جیسا تم نے آخری مرتبہ مجھے دیکھا تھا؟'' اس نے دانت نکالے اور درخت کی شاخ کے دوسری طرف تھوکا۔ اس نے ایڈی کو شش و پنج میں محسوس کیا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہاں تھوکنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تم بیمار بھی نہیں ہوتے یہاں۔ تمہاری سانس ہمیشہ کی طرح ہے۔ اور ہاں چاؤ زبردست ہے۔''

''چاؤ؟'' ایڈی جیسے کچھ نہ سمجھا۔ ''کیپٹن، دیکھو۔ کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ مجھے ابھی تک پتہ نہیں چل رہا کہ میں یہاں کیوں ہوں۔ میں نے ایک بے کار زندگی گذاری۔ میں ایک جھولوں والے پارک میں جھولوں کی مرمت کا کام کرتا تھا۔ میں سالوں سے آسمانی جھولوں، رولر کوسٹرز، گھوڑا جھولوں اور فضول قسم کی راکٹ شپس کی مرمت اور دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس میں فخر کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں بس پھنسا ہوا تھا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ۔۔۔''

ایڈی نے تھوک نگلا۔ ''میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟''

کیپٹن نے ان سرخ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا اور ایڈی وہ سوال پوچھنے سے رک

گیا جو نیلے آدمی سے ملاقات کے بعد سے اب تک اسے تنگ کر رہا تھا اور اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔

کیا کیپٹن کو بھی اسی نے قتل کیا تھا؟

''تم جانتے ہو؟ میں ابھی تک یہ سوچ رہا ہوں۔۔۔'' کیپٹن نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہماری یونٹ کے لوگ فوج چھوڑنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے رابطے میں رہے کہ نہیں؟ میرا مطلب ہے ولنگھیم، مورٹن اور سمیٹی وغیرہ۔ کیا تمہاری کبھی ان سے ملاقات ہوئی؟''

ایڈی کو یہ نام یاد آئے۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ رابطے میں نہیں رہے تھے۔ جنگ انسانوں کو مقناطیس کی طرح جوڑتی ہے لیکن ایک مقناطیس کی طرح ہی یہ انہیں ایک دوسرے سے دور بھی کر سکتی ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں، بعض اوقات وہ ان کو بھلانا چاہتے ہیں۔

''ایمانداری کی بات ہے سر، کہ ہمیں ایک دوسرے کا کچھ پتہ نہیں رہا۔'' ایڈی نے کندھے اچکائے۔

کیپٹن نے سر ہلایا جیسے اسے بھی اسی چیز کی توقع تھی۔

''اور تم؟ کیا تم اس تفریحی پارک میں واپس چلے گئے تھے جس کے بارے میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم زندہ بچ گئے تو وہاں ضرور آئیں گے؟ کیا سب فوجیوں کو مفت جھولے دیے جائیں گے؟ 'پیار کی سرنگ' میں ہر فوجی کو دو لڑکیاں ملیں گی؟ کیا ہم نے یہ باتیں نہیں کی تھیں؟''

ایڈی مدھم سا مسکرایا۔ اس نے یہی باتیں کی تھیں۔ ان سب نے یہی باتیں کی تھیں۔ لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو ان میں سے کوئی روبی پارک نہ آیا۔

''ہاں، میں پارک میں واپس چلا گیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور؟''

''اور میں کبھی بھی وہاں سے نہ جا سکا۔ میں نے کوشش کی۔ بڑے منصوبے بنائے۔ لیکن میری ٹانگ خراب تھی۔ مجھے نہیں پتہ۔ بس کچھ نہ ہو سکا۔''

ایڈی نے شانے اچکائے۔ کیپٹن اس کا چہرہ پڑھنے لگا۔ اس کی آنکھیں تنگ ہو گئیں اور آواز نیچی ہو گئی۔

''کیا تم اب بھی بازی گری کرتے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''چلو چلو، آگے بڑھو۔۔۔گو۔۔۔گو۔۔۔''

دشمن فوجی چلائے اور انہیں اپنی رائفل کی سنگینوں سے کچوکے دیے۔ایڈی، سمیٹی، مورٹن، رابوزو اور کیپٹن کو ایک نیچی پہاڑی کی جانب دھکیلا جانے لگا۔انہوں نے اپنے ہاتھ سروں پر رکھے ہوئے تھے۔ان کے اردگرد مارٹروں کے شیل پھٹ رہے تھے۔ایڈی نے ایک سائے کو درختوں میں بھاگتے دیکھا اور پھر وہ گولیوں کی زد میں آ کر نیچے گر گیا۔

اندھیرے میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے ذہن میں راستے کو بٹھانے کی کوشش کی۔جھونپڑیاں، سڑکیں، پگڈنڈیاں، جو بھی اس کے راستے میں آیا، وہ اسے ذہن نشین کرتا رہا کیونکہ اس کے خیال میں یہ چیز فرار کے منصوبے میں ان کے لیے مددگار ہو سکتی تھی۔کچھ فاصلے پر ایک طیارے کے چنگھاڑنے کی آواز سنائی دی تو ایڈی ایک دم مایوس ہو کر رہ گیا۔یہ ہر قیدی بنائے گئے فوجی کا اندرون زات کا تشدد ہوتا ہے یعنی آزادی اور قید کے درمیان مختصر راستہ۔اگر ایڈی چھلانگ لگا سکتا اور طیارے کے ونگ کو پکڑ سکتا تو وہ اس گڑبڑ سے دور جا سکتا تھا۔

اس کے بجائے ان کی ٹخنوں اور کلائیوں کو مضبوط رسیوں سے باندھ دیا گیا۔انہیں بانسوں سے بنی ایک بیرک میں دھکیل دیا گیا۔بیرک کچھ اونچائی پر ایک ٹیلے پر تھی جہاں وہ کئی دن، ہفتوں اور مہینوں قید رہے اور کٹی پھٹی چٹائیوں اور بوریوں پر سوتے رہے۔مٹی کا ایک جگ ان کے لیے ٹوائلٹ کا کام کرتا تھا۔رات کے وقت دشمن فوجی رینگ کر ان کی جھونپڑی میں آجاتے اور ان کی باتیں سننے کی کوشش کرتے۔جوں جوں وقت گذرا ان کی باتیں کم سے کم ہوتی چلی گئیں۔

وہ دبلے اور کمزور ہو گئے۔ان کی ہڈیاں دکھائی دینے لگیں۔حتیٰ کہ رابوزو جو فوج میں بھرتی ہوا تو اچھا خاصا موٹا تازہ تھا، وہ بھی نہایت دبلا ہو گیا۔انہیں خوراک کے لیے دن میں ایک مرتبہ چاول کا ایک گولا دیا جاتا جس میں نمک بھرا ہوتا اور ساتھ ایک بھورا سا شوربہ ہوتا جس میں گھاس تیر ہو رہی ہوتی۔ایک رات ایڈی کو شوربے کے کٹورے سے ایک بڑا بھونڈ ملا جس کے پر غائب تھے۔اس کے ساتھیوں نے اس روز کھانا نہ کھایا۔

جن فوجیوں نے انہیں قیدی بنایا تھا، وہ غیر یقینی کا شکار تھے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے۔شام کے وقت وہ اپنی سنگینوں کے ساتھ وہاں آتے اور سنگینوں کی دھار امریکیوں کی ناک پر رکھ کر غیر ملکی زبان میں چیختے چلاتے اور ان کے جواب کا انتظار کرتے لیکن کچھ حاصل وصول نہ ہوتا۔

ایڈی کے نزدیک ان کی تعداد چار تھی جبکہ کیپٹن کا اندازہ تھا کہ وہ بھی کسی بڑے یونٹ کا حصہ تھے اور اپنے یونٹ سے بچھڑ چکے تھے جیسا کہ اکثر جنگ میں ہوتا ہے کہ فوجیوں کے گروہ ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں اور غلط سمتوں میں نکل کر بچھڑ جاتے ہیں۔ ان کے چہرے ستے ہوئے اور استخوانی تھے اور بالوں کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔ ان میں سے ایک تو بہت کم عمر دکھائی دیتا تھا۔ ایک کے دانت اس قدر خراب تھے کہ ایسے دانت ایڈی نے زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔ کیپٹن نے ان چاروں کو پگلا ون، پگلا ٹو، پگلا تھری اور پگلا فور کا نام دیا۔

''ہمیں ان کے نام جاننے کی ضرورت نہیں۔'' وہ بولا۔ ''اور ہمیں اپنے نام بھی انہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔''

مرد خود کو اپنی قید کے مطابق ڈھال لیتے ہیں اور اس میں کچھ دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں۔ مورٹن جوشکا گو کا دبلا پتلا اور باتونی نوجوان تھا، جب بھی باہر سے آنے والی آوازیں سنتا تو بڑبڑ کرنے لگتا اور اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے بڑبڑاتا۔ ''کیا مصیبت ہے، کیا مصیبت ہے، کیا مصیبت ہے۔'' حتیٰ کہ دوسرے ساتھی اسے کہتے کہ خاموش ہو جاؤ۔ سمیٹی بروکلین کے ایک فائرمین کا بیٹا تھا جو اکثر اوقات خاموش رہتا لیکن اکثر لگتا کہ وہ کچھ نگل رہا ہے۔ اس کی زبان اکثر اوپر نیچے ہوتی رہتی۔ جلد ہی ایڈی کو پتہ چلا کہ وہ اپنی زبان چبانے کا عادی تھا۔ پورٹ لینڈ اوریگان کا تیز مزاج نوجوان رابوز و جاگتے ہوئے ہمیشہ منہ بناتا لیکن رات کو وہ اکثر چلاتا۔ ''مجھے نہیں، مجھے نہیں۔''

ایڈی اکثر مضطرب رہتا۔ وہ اپنی مٹھی کو بھینچ کر مکہ بناتا اور زور سے اپنی دوسری ہتھیلی میں مارتا۔ وہ اس وقت خود کو ایک مضطرب بیس بال پلیئر سمجھتا جیسا کہ وہ لڑکپن میں ہوا کرتا تھا۔ رات کو وہ خواب دیکھتا کہ وہ روبی پارک واپس چلا گیا ہے اور ڈربی ہارس کراؤزل پر ہے جہاں پانچ گا ہگ دائرے میں گھوڑوں کی ریس لگاتے ہیں حتیٰ کہ گھنٹی بج جاتی ہے اور ریس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں، بڑے بھائی یا مارگریٹ کے ساتھ ریس لگاتا ہے۔ لیکن پھر خواب تبدیل ہوتا ہے اور اسے چاروں پگلے اپنے ساتھ والے خچروں پر دکھائی دیتے ہیں جو اس پر آوازے کس رہے ہیں اور اسے گھور رہے ہیں۔

پارک میں سالوں کام کرتے ہوئے گاہگوں کا اور جھولوں کی باری ختم ہونے کا انتظار کرنے، لہروں کے واپس لوٹنے کا انتظار کرنے اور باپ کی جانب سے کسی ذمہ داری پر کام کرنے سے ایڈی کو صبر وشکر کرنے کی تربیت ملی تھی۔ لیکن وہ باہر جانا چاہتا تھا اور انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دانت

پیتا اور ہتھیلیوں پر مکے مارتا اور ان لڑائیوں کے بارے میں سوچتا جو اس نے اپنے محلے میں لڑی تھیں اور ایک لڑائی میں تو اس نے کوڑے کے ڈبے کے ڈھکن مار کر کچھ لڑکوں کو ہسپتال پہنچا دیا تھا۔ وہ تصور کر رہا تھا کہ گن نہ ہونے کی صورت میں وہ ان محافظوں سے کیسے نمٹ سکتا تھا جو ان کی قید پر مامور تھے۔

ایک صبح چیختے چلاتے اور سنگینیں چمکاتے چاروں پگلوں نے قیدیوں کو جگایا اور انہیں کھینچتے اور دھکیلتے ہوئے ایک شافٹ میں لے جانے لگے۔ وہاں پر روشنی نہ تھی۔ زمین ٹھنڈی تھی۔ وہاں پر کدالیں، پھاوڑے اور لوہے کی ٹوکریاں رکھی ہوئی تھیں۔

''اوہ، یہ منحوس تو کوئلے کی کان ہے۔'' مورٹن کے منہ سے نکلا۔

اس دن کے بعد سے ایڈی اور دوسری قیدیوں کو کان کی دیواروں سے کوئلہ اتارنے کے کام پر لگا دیا گیا تا کہ جنگی جدوجہد میں کو مدد مل سکے۔ کچھ قیدی پھاوڑوں سے کوئلہ اتارتے اور دیگر چیزوں سے کھرچتے اور کوئلوں کی تختیوں کو اٹھا اٹھا کر ٹرانسپورٹ والے ایریا میں لے کر جاتے جبکہ کچھ قیدی کوئلے کو اکٹھا کرتے۔ وہاں اور بھی غیر ملکی قیدی تھے جو انگریزی نہیں جانتے تھے اور خالی خالی نظروں سے ایڈی کی جانب دیکھتے تھے۔ وہاں بات کرنا منع تھا۔ انہیں ہر گھنٹے بعد پانی کا ایک کپ دیا جاتا۔ دن کے اختتام پر قیدیوں کے چہرے بھی کوئلے کی طرح سیاہ ہو جاتے اور ان کی گردنیں اور کندھے درد کرنے لگتے۔

قید کے پہلے چند ماہ کے دوران ایڈی مارگریٹ کی تصویر کے ساتھ سوتا تھا جو کہ اس کے ہیلمٹ کے اندر لگی تھی اور وہ سوتے ہوئے اس کو اپنے سامنے رکھ لیتا۔ وہ اگرچہ زیادہ دعائیں نہیں کرتا تھا لیکن اب وہ دعا کرنے لگا تھا۔ وہ اپنی فیملی میں واپس جانے اور اپنے پیاروں سے ملاقات کی دعا کرتا۔ وہ کہتا۔ ''اے خدا، میں تیری چھ روز عبادت کروں گا، اگر تو اس کے ساتھ مجھے چھ دن گذارنے کا موقع دے، اے خدا میں نو دن تیری عبادت کروں گا، اگر تو مجھے اس کے ساتھ نو دن گذارنے کا وقت دے، اے خدا، میں سولہ دن تیری عبادت کروں گا، اگر تو مجھے اس کے ساتھ سولہ دن گذارنے کا وقت دے۔۔۔''

پھر چوتھے مہینے میں ایک واقعہ ہوا۔ رابوزو کے جسم پر شدید خارش ہونے لگی اور اسے شدید

اسہال ہو گیا۔ وہ کچھ نہیں کھا سکتا تھا۔ رات کو وہ پسینے سے لت پت ہو جاتا اور اس کے میلے کچیلے اور غلیظ کپڑے اس طرح بھیگ جاتے کہ جیسے انہیں پانی میں ڈالا گیا ہو۔ وہ خود کو گیلا کر لیتا۔ وہاں پر اسے دینے کے لیے نئے کپڑے نہ تھے، اس لیے وہ میلی چٹائی پر برہنہ ہی سو جاتا اور کیپٹن اس کے جسم پر کوئی چادر وغیرہ ڈال دیتا۔

اگلے روز کان کے اندر رابوزو کی حالت یہ تھی کہ وہ کھڑا ہونے سے بھی قاصر تھا۔ تاہم چاروں پگلوں کو ترس نہ آیا۔ وہ کام کرتے سست پڑ جاتا تو وہ اسے چھڑیاں مارتے کہ وہ جلدی کام کرے۔

''اسے چھوڑ دو۔'' ایڈی غرایا۔

پگلے ٹو، جو دشمن فوجیوں میں سب سے بے رحم تھا، زور سے رائفل کا بٹ ایڈی کو مارا۔ وہ نیچے گر گیا اور درد کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی جو کندھے کی ہڈی میں شدت سے محسوس ہوئی۔ رابوزو نے کوئلے کی کچھ مزید قاشیں اتار لیں اور پھر گر گیا۔ پگلا ٹو اس پر چیخا اور اسے کھڑا ہونے کو کہا۔

''وہ بیمار ہے۔'' ایڈی چلایا۔

پگلے ٹو نے بٹ مار کر اسے دوبارہ زمین پر گرا دیا۔

''ایڈی چپ کر جاؤ۔'' مورٹن نے سرگوشی میں کہا۔ ''اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔''

پگلا ٹو مورٹن پر جھکا۔ اس نے اس کی پلکیں اوپر اٹھائیں۔ رابوزو کراہ کر رہ گیا۔ پگلے ٹو کے منہ پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اسے بچے کی طرح پچکارنے لگا۔ اس نے آہ کی آواز نکالی اور قہقہہ لگایا۔ پھر وہ سب قیدیوں کی جانب دیکھ کر ہنسنے لگا اور ان کی نظروں سے نظریں ملائیں اور اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ پھر اس نے اپنا پستول باہر نکالا۔ اسے روبازو کے کان پر رکھا اور اس کے سر میں گولی مار دی۔

ایڈی کو یوں لگا جیسے اس کا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور دماغ سن ہو گیا۔ گولی چلنے کی آواز کان میں دور تک گونجی اور رابوزو کا چہرہ اور جسم خون میں تر ہو گیا جبکہ فرش پر خون کا ایک تالاب بن گیا۔ مورٹن نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ کیپٹن نے نیچے دیکھا۔ کوئی نہ ہلا۔

پگلے ٹو نے سیاہ پاؤں کی ٹھوکر سے لاش پرے پھینکی اور پھر ایڈی کی جانب گھورتے ہوئے اس کے پاؤں پر تھوکا۔ وہ پگلے تھری اور پگلے فور پر چلایا اور انہیں کچھ کہنے لگا جو اس واقعے پر اتنے ہی دم بخود

تھے جتنا کہ دیگر قیدی۔ایک لمحے کے لیے پگلے تھری نے اپنا سر ہلایا اور بڑبڑانے لگا جیسے کوئی دعا پڑھ رہا ہو۔اس کی پلکیں جھک گئیں اور ہونٹ تیزی سے ہلنے لگے۔تاہم پگلا ٹو بدستور پگلے تھری اور پگلے فور پر چیخا اور بندوق ان کی جانب لہرائی جس پر پگلے تھری اور پگلے فور نے رابوزو کی لاش کو پیروں سے پکڑا اور کان کے فرش پر گھسیٹے ہوئے باہر کو لے جانے لگے۔ان کے ایسا کرنے سے فرش پر خون کی ایک موٹی سی لکیر بنتی چلی گئی۔خون کوئلے کی سیاہی سے مل کر اس طرح سیاہ ہو چکا تھا جیسے خام تیل ہوتا ہے۔انہوں نے اس کی لاش کو ایک دیوار کے ساتھ ڈال دیا۔

اس کے بعد ایڈی نے دعا کرنا چھوڑ دی۔وہ دن گننے لگا۔رابوزو کی طرح موت کا شکار ہونے کے بجائے وہ اور کیپٹن وہاں سے فرار کے منصوبے بنانے لگے۔کیپٹن نے اندازہ لگایا کہ جنگ کے لیے دشمن کی کوششیں بہت پُرشدت تھیں کیونکہ انہوں نے تمام قیدیوں کو کوئلہ نکالنے پر لگا دیا تھا۔ہر دن کے ساتھ کان میں قیدی مرنے لگے تھے۔رات کو ایڈی کو بم پھوٹنے کی آوازیں سنائی دیتیں اور بعض اوقات یہ آوازیں بہت قریب آتی محسوس ہوتیں۔کیپٹن نے اندازہ لگایا کہ اگر حالات زیادہ خراب ہو گئے تو ان کو قیدی بنانے والے بیل آؤٹ کریں گے اور ہر چیز کو تباہ کر دیں گے۔اس نے دیکھ لیا تھا کہ قیدیوں کے بیرکوں کے باہر گڑھے کھودے جا رہے تھے اور تیل کے بڑے بڑے بیرلوں کو نیچی پہاڑی پر رکھا جا رہا تھا۔

''یہ تیل ثبوتوں کو جلانے کے لیے ہے۔'' کیپٹن نے سرگوشی کی۔''وہ ہماری قبریں کھود رہے ہیں۔''

تین ہفتوں بعد جب آسمان کا رنگ سفیدی مائل سیاہ ہو چکا تھا تو پگلا تھری ان کی بیرک میں تھا اور محافظ کا فریضہ نبھا رہا تھا۔اس کے پاس دو بڑے پتھر تھے جو لگ بھگ ایک اینٹ کے برابر تھے۔وہ بوریت کے دوران ان پتھروں سے کھیلتا تھا اور بازی گری دکھاتا تھا۔وہ انہیں نیچے گراتا، اٹھاتا، ہوا میں اچھالتا اور پھر دوبارہ نیچے گراتا تھا۔ایڈی کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکا تھا اور اس شور شرابے سے تنگ تھا۔وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا۔لیکن آخر اس نے خود کو بمشکل اٹھایا۔اُسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اسے یوں لگا کہ اس کے اعصاب زندگی کے لیے مچل رہے تھے۔

''کیپٹن۔'' اس نے سرگوشی کی۔''تم حرکت میں آنے کے لیے تیار ہو؟''

کیپٹن نے اپنا سر اٹھایا۔ ''تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''پتھروں کے بارے میں۔'' ایڈی نے گارڈ کی جانب اشارہ کیا۔

''کیا مطلب؟'' کیپٹن نے پوچھا۔

''میں بھی بازی گری کر سکتا ہوں۔'' ایڈی نے سرگوشی کی۔

''کیا؟'' کیپٹن نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

لیکن ایڈی پہلے ہی محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ''اے، تم غلط کر رہے ہو۔''

اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک دائرہ بنایا۔ ''اس طریقے سے کرو۔ اس طریقے سے، لاؤ مجھے دو۔''

اس نے ہاتھ آگے بڑھائے۔ ''میں بازی گری کر سکتا ہوں۔ لاؤ مجھے دو۔''

پگلے تھری نے محتاط انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ وہاں پر جتنے بھی محافظ تھے، ان میں سے پگلا تھری ہی ایسا تھا جس کے بارے میں ایڈی سمجھتا تھا کہ وہ اس سے کوئی موقع حاصل کر سکتا تھا۔ پگلا تھری اکثر قیدیوں کی روٹیاں چرا لیتا تھا اور انہوں نے اس چھوٹے سے سوراخ کے ذریعے باہر پھینک دیتا تھا جو کہ روشن دان کا کام دیتا تھا۔ ایڈی نے ایک بار پھر ہاتھوں سے دائرے کی شکل بنائی اور مسکرایا۔ پگلا تھری اس کے قریب آیا اور پیچھے ہٹ گیا اور اپنی رائفل اٹھائی۔ پھر اس نے وہ دونوں پتھر ایڈی کے حوالے کر دیے۔

''پتھریوں اچھالتے ہیں۔'' ایڈی نے کہا اور بڑی آسانی کے ساتھ پتھروں کے ساتھ بازیگری کرنے لگا۔ اس نے بیک وقت کئی چیزیں اچھالنے اور پکڑنے کا فن اس وقت ایک اطالوی بازی گر سے سیکھا تھا جب وہ صرف سات برس تھا۔ اطالوی بازی گر بیک وقت چھ پلیٹیں ہوا میں اچھالتا اور انہیں زمین پر گرنے نہ دیتا۔ ایڈی نے اس فن میں طاق ہونے کے لیے بہت وقت صرف کیا۔ وہ بورڈ واک کے پتھروں، ربڑ کے گیند یا جو کچھ بھی اسے ملتا تھا، ان کے ذریعے اس فن کی مشق کرتا تھا۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا۔ تفریحی پارکوں میں کام کرنے والوں کے اکثر بچے اس فن میں طاق ہوتے تھے۔

لیکن اس وقت وہ صرف دو پتھروں کو اچھال رہا تھا اور پوری شدت اور رفتار کے ساتھ ایسا کر رہا تھا تاکہ محافظ کو متاثر کر سکے۔ پھر وہ رکا اور پتھروں کو زمین پر رکھ کر بولا۔ ''مجھے ایک اور پتھر دو۔''

پگلاتھری غرایا۔

''تین پتھر، سمجھے نہیں تین پتھر۔'' اس نے تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا۔

''تین۔''

اس وقت مورٹن اور سمیٹی چوکنے ہو کر بیٹھے تھے۔ کیپٹن دھیرے دھیرے قریب ہو رہا تھا۔

''آخر ہم کیا کر رہے ہیں؟'' سمیٹی بڑبڑایا۔

''کیا تم مجھے تیسرا پتھر نہیں دو گے۔'' ایڈی بڑبڑایا۔

پگلے تھری نے بانس کا دروازہ کھولا اور وہی کیا جو کہ ایڈی کو امید تھی کہ وہ کرے گا۔ وہ دیگر محافظوں پر چلایا۔ پگلا ون ایک موٹے سے پتھر کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہوا جبکہ پگلا ٹو بھی اس کے پیچھے تھا۔ پگلے تھری نے پتھر ایڈی کی جانب پھینکا اور چلا کر کچھ کہا۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور دانت نکالتے ہوئے ان کو ہاتھوں سے بیٹھنے کا اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''ذرا دیکھو۔''

ایڈی ایک ردھم کے ساتھ بیک وقت تینوں پتھر اچھالنے لگا۔ ہر پتھر اس کی ہتھیلی جتنا بڑا تھا۔ وہ میلوں ٹھیلوں پر گایا جانے والا گیت گنگنانے لگا۔ ''ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ڈی۔۔۔'' محافظ ہنسنے لگے۔ ایڈی بھی ہنسنے لگا۔ کیپٹن اور سمیٹی بھی ہنس رہے تھے۔ وہ دکھاوے کی ہنسی تھی جو وہ وقت حاصل کرنے کے لیے دکھا رہے تھے۔

''قریب۔۔۔ ہو جاؤ۔۔۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ گانے کا ہی حصہ ہو۔ مورٹن اور سمیٹی دھیرے سے آگے ہوئے جیسے کوئی دلچسپی لیتے ہوئے تھوڑا سا آگے ہوتا ہے۔

محافظ بازی گری اور گانے سے لطف اٹھا رہے تھے۔ وہ تھوڑے سے غیر محتاط ہو گئے تھے۔ ایڈی نے تھوک نگلنے کی کوشش کی۔ کچھ دیر وقفہ کر کے وہ دوبارہ پتھر اچھالنے لگا۔ وہ بیک وقت تینوں پتھروں کو پوری تیزی کے ساتھ اچھال رہا تھا اور انہیں زمین پر گرنے نہیں دے رہا تھا۔ وہ اس فن میں اپنی بھرپور صلاحیت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''واہ۔۔۔'' پگلا تھری تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''کیا تمہیں پسند آیا؟'' ایڈی نے کہا۔ وہ اب زیادہ تیزی کے ساتھ پتھر اچھال رہا تھا۔ وہ ایک پتھر کو بہت اونچا اچھالتا اور اس کے ساتھ ہی اپنے صیادوں کی جانب دیکھتا جو پتھر کو اونچائی پر جاتے اور نیچے اس کے ہاتھ میں آتے ہوئے دیکھنے میں مگن تھے۔ وہ گنگنایا۔ ''ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔ ڈا۔۔۔

ڈا۔۔ڈا۔۔۔ ڈا۔۔''پھر اس نے گیت کے دوران ہی کہا۔''جب میں تین کہوں تو۔۔۔ڈا۔۔ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔ڈا۔۔۔کیپٹن دائیں طرف کے آدمی کو۔۔۔''

پگلا تھری کچھ غرایا تو ایڈی نے اس کی جانب مسکرا کر دیکھا جیسے کہ روبی پارک میں اکثر بازی گر اس وقت کرتے تھے جب وہ دیکھتے کہ تماشائیوں کی دلچسپی میں کمی آ رہی ہے۔

''ادھر دیکھو۔۔۔ادھر دیکھو۔۔۔ادھر دیکھو۔۔۔''ایڈی نے اسے پچکارا۔''یہ دنیا کا بہترین شو ہے میرے دوست۔''

ایڈی اور تیزی سے پتھر اچھالنے لگا اور پھر گنتی گننے لگا۔''ایک۔۔۔دو۔۔۔''اور پھر اس نے ایک پتھر بہت اونچا اچھالا تو سارے پگلے اسے دیکھنے میں لگ گئے۔

''اوراب۔۔۔''ایڈی چلایا۔بازی گری کے عین درمیان اس نے ایک پتھر کو پکڑا اور کسی اچھے بیس بال پلیئر کی طرح، جو کہ وہ ہمیشہ سے تھا، تاک کر وہ پتھر پگلے تھری کے منہ پر مارا اور اس کی ناک ہی توڑ ڈالی۔پھر اس نے دوسرا پتھر پکڑا اور اس سے بھی کھینچ کر سیدھا پگلے ٹو کو مارا جو اس کی ٹھوری پر لگا اور وہ ایک دم پیچھے کی طرف گرا تو کیپٹن نے اچھل کر سنگین والی بندوق قبضے میں لے لی۔ پگلا تھری تو ایک لمحے کے لیے ہکا بکا رہ گیا تھا، اس نے سرعت کے ساتھ اپنا پستول نکالا اور اندھا دھند فائر کرنے لگا جس پر مورٹن اور سمیٹی نے اچھل کر اس کی ٹانگ پکڑی اور اسے زمین بوس کر دیا۔ اچانک زور سے دروازہ کھلا اور پگلا فوراً اندر داخل ہوا۔ایڈی نے آخری پتھر اسے مارا جس سے وہ بال بال بچا لیکن جیسے ہی وہ جھکا تو کیپٹن جو رائفل کے ساتھ دیوار کے ساتھ چھپا ہوا تھا، نے سنگین اس کے جسم میں پرو دی۔اس نے قدر زور سے سنگین اسے گھونپی کے زور کے ساتھ وہ دونوں زمین پر گر پڑے۔ایڈی جو شدت جوش سے بھر چکا تھا، پگلے ٹو کو جکڑ کر نیچے گرا لیا اور اس کے منہ پوری طاقت کے ساتھ گھونسوں پر گھونسے برسانے لگا۔اس نے اس قدر طاقت کے ساتھ مکے برسائے کہ پگلا ٹو تو ہڑبڑا کر رہ گیا۔ایڈی نے اتنی طاقت کے ساتھ کسی کو گھونسے نہیں مارے تھے۔لیکن پگلا ٹو اب بھی زور لگا رہا تھا جس پر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ اس کی کھوپڑی پر مارنے لگا یہاں تک کہ اس نے جب اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو وہ خون سے تر ہو چکا تھا۔اس نے دیکھا کہ وہ گاڑھا مواد خون، جلد کے ٹکڑوں اور کوئلوں کی راکھ کے ساتھ مل کر بہت بھیانک دکھائی دے رہا تھا۔پھر اسے گولی چلنے کی آواز سنائی دی تو خون کے زبردست چھینٹے اس کے چہرے پر پڑے۔اس

نے اوپر دیکھا تو سمیٹی کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں دشمن کی پستول تھی۔ پگلے ٹو کا جسم ساکت ہوگیا۔ اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا۔

''رابوزو کا انتقام۔'' سمیٹی کے منہ سے نکلا۔

چند منٹوں کے اندر چاروں محافظ مارے جاچکے تھے۔

قیدی جو اس وقت بہت دُبلے، برہنہ پا اور خون میں لتھڑے ہوئے تھے، اس نیچی پہاڑی کے اوپر جا رہے تھے۔ ایڈی کو امید تھی کہ وہاں اور گولیاں چلیں گی اور لڑائی کے لیے مزید محافظوں سے سامنا ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا۔ دیگر جھونپڑے خالی تھے۔ درحقیقت پورا کیمپ خالی تھا۔ ایڈی حیران تھا کہ اتنا عرصہ صرف چار محافظوں نے انہیں قیدی بنا رکھا تھا۔

''میرے خیال میں دیگر لوگ بمباری کے خطرے کے پیش نظر چلے گئے ہوں گے۔'' کیپٹن نے سرگوشی کی۔ ''ہم آخری گروپ رہ گئے ہیں۔''

تیل سے بھرے بیرل پہاڑی کی پہلی اونچائی پر دھرے ہوئے تھے۔ لگ بھگ سو میٹر کے فاصلے پر کوئلے کی کان کا داخلی راستہ تھا۔ قریب ہی سپلائی کے جھونپڑے تھے اور مورٹن نے پہلے اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ خالی تھے، اور پھر اندر داخل ہوگیا۔ وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں بہت سے دستی بم، رائفلیں اور دو قدیم انداز کے روشنی برسانے والے گولے تھے۔

''چلو اس کو جلا کر راکھ کر دیں۔'' وہ بولا۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

کیک پر لکھا ہے۔ ''گڈ لک، جم کر مقابلہ کرو۔'' جبکہ اس کے ٹھنڈے ونیلا پر مشتمل کنارے پر کسی نے اضافی طور پر تحریر کر رکھا ہے۔ ''جلدی گھر آنا (come home soon)۔'' یہ الفاظ نیلے رنگ کے ہیں تاہم ان میں soon کے oo کو اس طرح جوڑ کر لکھا گیا ہے کہ یہ son بھی پڑھا جاتا ہے یعنی come home son بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

ایڈی کی ماں نے اس کے کپڑوں کو اگلے روز کے لیے صاف اور استری کر کے رکھا ہوا ہے۔ اس نے ان کپڑوں کو اس کی بیڈروم کی دراز کی ناب کے ساتھ ہینگر میں ٹانگ رکھا ہے جبکہ ڈریس شوز کا جوڑا ان کے نیچے رکھا ہوا ہے۔

ایڈی اس وقت کچن میں ہے اور نو عمر رومانوی کزنوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں مشغول ہے۔ اس کے ہاتھ اس کی کمر پر ہیں جبکہ وہ اس کے پیٹ میں مکے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک کزن کھڑکی سے باہر پیریسین کراؤزل کی جانب اشارہ کرتا ہے جنہیں رات کے گاہکوں کے لیے قمقموں سے روشن کیا گیا ہے۔

''گھوڑے۔'' ایک بچہ نعرہ لگاتا ہے۔

سامنے کا دروازہ کھلتا ہے اور ایڈی ایک آواز سنتا ہے جس سے اس کا دل ایک دم اچھل پڑتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کیا یہ کوئی کمزوری تو نہیں جسے وہ جنگ پر اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہے۔

''ہے، ایڈی۔'' مارگریٹ کہتی ہے۔

اور پھر وہ اسے کچن کو جانے والے راستے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑی پیاری لگ رہی ہے۔ ایڈی اپنے دل میں وہی مخصوص دیے جلتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے بالوں سے بارش کے پانی کے قطرے جھاڑتی ہے اور مسکراتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ ہے۔

''میں تمہارے لیے کچھ لائی ہوں۔تمہاری سالگرہ کے لیے بھی، اور آج تمہاری روانگی کے حوالے سے بھی۔''

وہ پھر مسکراتی ہے۔ایڈی اسے سینے سے لگانا چاہتا ہے اور اسے لگتا ہے کہ وہ پھٹ جائے گا۔ باکس میں کیا ہے، اسے اس کی پروانہیں۔وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ وہ جو بھی لائی ہے اس کے لیے لائی ہے۔ مارگریٹ جب بھی ایڈی کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کا دل چاہتا ہے کہ وقت تھم جائے۔

''یہ تو بھرا بھرا لگتا ہے۔''ایڈی کہتا ہے۔

وہ ہنستی ہے۔''تم نے ابھی تک اسے کھولنے کو نہیں کہا۔''

''سنو۔''وہ اس کے قریب ہو جاتا ہے۔''کیا تم۔۔''

''ایڈی،''کوئی کمرے سے چلاتا ہے۔''آؤ اور موم بتیاں بجھاؤ۔''

''ہاں، ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔''

''اوہ، سیل، شش۔''

''اچھا، ہم آرہے ہیں۔''

وہاں پر کیک، بیئر، دودھ، سگار اور ایڈی کی کامیابی کے لیے ایک ٹوسٹ کا انتظام بھی ہے اور یہاں پر ہی ایک ایسا لمحہ آتا ہے جب ماں رونے لگتی ہے اور اپنے دوسرے بیٹے جو کو گلے لگا لیتی ہے جسے اس کے چپٹے پیروں کی وجہ سے فوج کے لیے چنا نہیں جاتا۔

بعد میں رات کو ایڈی اور مارگریٹ ساحل پر چہل قدمی کرتے ہیں۔وہ وہاں پر ہر ٹکٹ والے اور کھانوں کے سٹال والے کو جانتا ہے اور تمام اس کے لیے نیک جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ایک بوڑھی عورت کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور ایڈی سمجھ جاتا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا اس سے پہلے جنگ کے لیے جا چکا ہے۔

وہ اور مارگریٹ کھانے پینے کی مختلف چیزیں اور بیئر کے کین خریدتے ہیں اور ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے کھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔پھر وہ ایک جگہ پر جاتے ہیں اور وہاں پر موجود ایک سفید تھیلے میں ہاتھ ڈالتے ہیں اور کچھ ٹکڑے نکالتے ہیں، ایسا کرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر کھیلتے ہیں۔پینی آرکیڈ میں ایڈی ایک پلاسٹر ہینڈ اپنے ہاتھ پر چڑھا لیتا ہے اور تیر پھینکتا ہے۔تیر کھٹ سے دور تک جاتا ہے اور ٹھیک نشانوں پر بیٹھتا ہے۔

''تم بہت مضبوط ہو۔'' مارگریٹ کہتی ہے۔

''مرد کا بچہ ہوں۔'' ایڈی اپنی مچھلی پھلاتا ہے۔

رات کے ختم ہونے کے قریب وہ بورڈ واک پر اسی طرح جنگلے سے لٹک کر کھڑے ہوتے ہیں جس طرح فلموں میں کوئی رومانوی جوڑا کرتا ہے۔ دور ریت میں انہیں ایک بے گھر شخص دکھائی دیتا ہے جس نے لکڑی کے کچھ گٹھوں سے آگ جلا رکھی ہے اور اس کے قریب بیٹھ کر ہاتھ سینک رہا ہے۔

''تمہیں مجھے انتظار کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں۔'' اچانک مارگریٹ کہتی ہے۔

ایڈی تھوک نگلتا ہے۔

''نہیں کہوں گا۔''

وہ اس کے سر کو سہلاتی ہے۔ ایڈی مسکراتا ہے۔ یوں وہ ایک ایسا سوال کرنے سے بچ جاتا ہے جو رات سے اس کے ذہن میں مچل رہا ہے۔ اسے یوں لگتا ہے کہ اس کے دل کے اندر سے ایک تار نکل رہی ہے جس کے مارگریٹ کو اپنے پھندے میں لے لیا ہے اور اسے اس کے قریب لا رہی ہے، اسے اس کا بنا رہی ہے۔ اس کے دل میں اس کے لیے بے پناہ پیار موجزن ہے اور کسی کے لیے پیار کے ایسے جذبے کو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا ہے۔

بارش کا ایک قطرہ ایڈی کے ماتھے پر گرتا ہے۔ پھر دوسرا قطرہ گرتا ہے۔ وہ اوپر بادلوں کو دیکھتا ہے۔

''اے، مرد کے بچے۔'' مارگریٹ کہتی ہے۔ وہ مسکراتی ہے لیکن پھر اس کا چہرہ بجھ جاتا ہے اور وہ پانی کے قطرے پر آنکھ جھپکتی ہے تاہم ایڈی یہ کہنے سے قاصر ہے کہ یہ بارش کا قطرہ ہے یا آنسو۔

''مارے نہ جانا۔ او کے!!!'' وہ کہتی ہے۔

قید سے فرار کے بعد

قید سے آزاد ہونے والا فوجی اکثر سخت غصے میں ہوتا ہے۔وہ تمام دن اور راتیں جو اس نے کھودیے اور وہ تمام تشدد اور زلت جو اس نے سہی، تمام شدید انتقام کا تقاضا کرتے ہیں اور حساب برابر کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

چنانچہ جب مورٹن جس نے ہاتھوں مین بہت سے ہتھیار اٹھار کھے تھے، جب کہتا ہے کہ ''آؤ اسے جلا کر راکھ کر دیں۔'' تو تمام ساتھیوں نے اگرچہ منطقی طور پر تو نہیں تاہم فوری طور پر اس سے اتفاق کیا۔خود کو کنٹرول کی حالت میں لا کر وہ جوش سے بھر گئے تھے۔وہ دشمن کے ہاتھ لگے ہتھیاروں کے ساتھ ادھر ادھر بکھر گئے۔سمیٹی کان کی شافٹ کی طرف کھڑا ہو گیا۔مورٹن اور ایڈی تیل کے ڈرموں کی طرف چلے گئے جبکہ کیپٹن ٹرانسپورٹ کے لیے کوئی گاڑی ڈھونڈنے لگا۔

''صرف پانچ منٹ، اس کے بعد تمام لوگ واپس آ جائیں۔'' کیپٹن نے حکم دیا۔''بمباری جلد شروع ہونے والی ہے اور ہمیں یہاں سے نکلنے کی ضرورت ہے۔جلدی کرو۔پانچ منٹ!!!''

اس طرح جو جگہ نصف سال سے ان کا گھر بنی ہوئی تھی، اسے تباہ کرنے میں اتنا ہی وقت لگا۔سمیٹی نے کان کی شافٹ میں دستی بم پھینکے اور بھاگ اٹھا۔ایڈی اور سمیٹی نے تیل کے دو ڈرم جھونپڑوں پر مشتمل علاقے میں دھکیل دیے۔انہوں نے ان کو کھولا اور پھر ایک ایک کر کے شعلے پیدا کرنے والے وہ تینوں بم ان پر برسا دیے اور جھونپڑوں نے آگ پکڑ لی۔

''جلا دو۔'' مورٹن چلایا۔

''جلا دو۔'' ایڈی بھی چیخا۔

کان کی شافٹ نیچے کی جانب سے پھٹی۔داخلی راستے سے سیاہ دھواں خارج ہوا۔سمیٹی جس کا کام مکمل ہو چکا تھا، فوری طور پر ملاقات کی جگہ پر پہنچا۔مورٹن نے اپنے تیل کے ڈرم کو ٹھڈا مار کر ایک

جھونپڑے کے اندر دھکیلا اور پھر شعلوں اور آگ کا کھیل دیکھنے لگا۔

ایڈی نے اس سمت میں دیکھا اور ایک سانس بھرتے ہوئے اس آخری جھونپڑے کی طرف بڑھا جو پہاڑی کے نیچے واقع تھا۔ یہ جھونپڑا باقیوں سے بڑا تھا اور کوئی باڑہ لگتا تھا۔ ایڈی نے اپنا ہتھیار اٹھایا۔ یہ تمہارا انجام ہے! ایڈی بڑبڑایا۔ انجام! وہ تمام دن اور راتیں جو ان حرامیوں کی قید میں گذریں، وہ نیم انسان محافظ جن کے دانت خراب تھے اور چہرے استخوانی تھے اور جو انہیں مرے ہوئے جھینگروں والا سوپ پلاتے تھے۔ سب کا انجام تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے تاہم اسے یقین تھا کہ یہ اس سے زیادہ بُرا نہیں ہوگا جو انہوں نے دشمن کی قید کے دوران خود پر سہا تھا۔

ایڈی نے ٹریگر دبا دیا۔ ووش!!!! ایک دم آگ بھڑک اٹھی۔ بانس خشک تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ باڑا کسی سوکھی لکڑی کی طرح جلنے لگا اور سرخ اور زرد آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ دور کچھ فاصلے پر ایڈی کو کسی طیارے کے انجن کی آواز سنائی دی۔ اس کے خیال میں شاید کیپٹن نے فرار کے لیے کوئی ذریعہ ڈھونڈ ہی لیا تھا۔ لیکن پھر اچانک آسمان پر بمباری کا پہلا دھماکہ ہوا۔ یہ وہ آواز تھی جو وہ روزانہ سن رہے تھے۔ اب یہ آواز بہت قریب سے سنائی دے رہی تھی اور ایڈی نے یہ جانا کہ یہ جو کوئی بھی تھا، شعلوں کو دیکھ لے گا۔ شاید انہیں بچا لیا جائے۔ شاید وہ گھر چلے جائیں۔ وہ دوبارہ جلتے ہوئے باڑے کی طرف مڑا اور۔۔۔

وہ کیا تھا؟

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

وہ کیا تھا؟

باڑے کے جلتے ہوئے دروازے کے پاس کچھ دکھائی دیا۔ ایڈی نے غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ آگ کی حدت بہت تیز تھی اور اس نے اپنے ایک ہاتھ سے آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔ اسے اگرچہ یقین نہیں تھا تاہم اسے لگا تھا جیسے اس نے آگ کے بیچ میں ایک چھوٹے سے سائے کو بھاگتے دیکھا تھا۔

"اے،" ایڈی چلایا اور آگے کی جانب بڑھا۔ اس نے اپنی بندوق نیچے کر لی۔ "اے"

باڑے کی چھت اب گر رہی تھی اور شعلے اور آگ تیز ہو گئی تھی۔ ایڈی ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ شاید وہ سایہ تھا۔

"ایڈی، اب لوٹ آؤ۔"

مورٹن اوپری راستے پر کھڑا تھا اور ایڈی کی جانب ہاتھ لہراتے ہوئے اسے آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ایڈی کی آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔وہ بہت مشکل سے سانس لے رہا تھا۔اس نے اس سمت میں اشارہ کیا اور چلایا۔''میرے خیال میں وہاں کوئی ہے۔''

مورٹن نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا۔''کیا؟''وہ چلایا۔

''وہاں۔۔۔پر۔۔۔کوئی ہے۔''

مورٹن نے اپنا سر ہلایا۔اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ایڈی اس طرف مڑا اور اسے ایک بار پھر یقین ہوا کہ اس نے کچھ دیکھا تھا۔کوئی جلتے ہوئے باڑے میں رینگ رہا تھا۔یہ کوئی بچے جتنا وجود تھا۔ایڈی کو دو سال سے زیادہ ہو چکے تھے اور اس نے اب تک کسی بالغ آدمی کے سوا کسی کو نہیں دیکھا تھا۔اسے اس وقت جو سایہ دکھائی دیا تھا،اسے دیکھ کر اسے اپنے ننھے کزن یاد آ گئے تھے جو روبی پارک میں ان کے گھر آتے تھے۔اسے وہ کھلونا ریل یاد آ گئی جسے بچے بہت شوق سے دیکھتے تھے۔وہ رولر کوسٹر،ساحل پر بھاگتے بچے،مارگریٹ اور اس کی تصویر اور وہ تمام لوگ جن کو وہ کئی ماہ سے بھولا ہوا تھا۔

''اے،باہر آ جاؤ۔''وہ چلایا۔اس نے روشنی بم نیچے رکھ دیا اور آگے کو بڑھنے لگا۔''میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔''

اچانک کسی نے اس کے کندھے کو پکڑا اور زور سے کچھ بولا۔ایڈی جلدی سے گھوما،اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔یہ مورٹن تھا اور چلا رہا تھا۔''ایڈی،ہمیں اب جانا ہے۔''

ایڈی نے نفی میں سر ہلایا۔''نہیں نہیں،دیکھو،دیکھو۔۔۔دیکھو۔میرے خیال میں وہاں کوئی ہے۔''

''وہاں کوئی نہیں ہے۔اب چلو۔''

ایڈی کو خود پر یقین تھا۔وہ باڑے کی طرف مڑا۔مورٹن نے ایک بار پھر اسے پکڑا۔اس بار ایڈی پیچھے گھوما اور غصے سے مورٹن کو دیکھتے ہوئے اس کے سینے پر گھونسہ مارا۔مورٹن گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ایڈی کے سر میں دھماکے ہو رہے تھے اور چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔وہ دوبارہ شعلوں کی جانب دیکھنے لگا۔اس کی آنکھیں تقریباً بند تھیں۔

''وہاں پر کیا ہے؟وہ دیوار کے ساتھ؟وہاں؟۔۔۔''

وہ آگے بڑھنے لگا کیونکہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ کوئی بے گناہ اور معصوم اس کے سامنے زندہ جلنے والا تھا اور وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔پھر ایک دھماکے کے ساتھ باقی ماندہ چھت بھی نیچے آن گری۔اس

کے نتیجے میں ملبے کے ساتھ بجلی کے شعلے بھی چمکے اور یہ شعلے ایڈی کے سر پر بارش کی طرح برسنے لگے۔
اس ایک لمحے کے دوران جنگ وجدل کا تمام غبار اس کے جسم سے یوں خارج ہونے لگا جیسے گندا خون جسم سے نکلتا ہے۔ وہ قید و بند سے تنگ آ چکا تھا اور قتل و غارت سے تنگ آ چکا تھا۔ وہ اس خون اور گوشت کے لوتھڑوں سے عاجز آ چکا تھا جو اس کے کپڑوں اور جسم پر لگ چکے تھے۔ وہ بمباری، آتشگیری اور اس کے بانجھ پن سے بیزار ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ نہ صرف اپنا بلکہ المناک موت کا شکار ہونے والے رابوزو کا بھی کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ وہ شعلوں میں گھرے ملبے میں کود گیا تاکہ اس ننھے وجود کو بچا سکے جو کہ اس کے خیال میں وہاں آگ میں پھنسا ہوا تھا۔ طیاروں کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی ایک ردھم کے ساتھ تڑاتڑ گولیاں برسنے لگیں۔
ایڈی یوں حرکت میں تھا جیسے کسی سحر میں ہو۔ وہ تیل کے ایک جلتے ہوئے پیپے کے پاس سے گذرا تو اچانک پیچھے کی جانب سے اس کے کپڑوں میں بھی آگ لگ گئی۔ ایک زرد شعلہ اس کے دھڑ اور ران تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کی۔
''میں تمہاری مدد کروں گا۔ باہر آ جاؤ۔ میں گولی نہیں چلاؤں گا۔''
اچانک ایڈی کی ٹانگ میں ایک چیر دینے والی درد محسوس ہوئی۔ وہ ایک دلدوز آواز میں چیخا اور زمین پر گر گیا۔ اس کی ٹانگ سے تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ طیارے کے انجن دھاڑے۔ آسمان ایک دم تیز جھماکوں کے ساتھ روشن ہو گیا۔
وہ وہاں لیٹا ہوا جل رہا تھا اور خون اس کے جسم سے بہے جا رہا تھا۔ شدید حدت کے باعث اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور زندگی میں پہلی بار ایڈی نے خود کو مرنے کے لیے تیار پایا۔ پھر اچانک کوئی تیزی سے اس کے پاس آ کر چلایا اور اسے مٹی میں لوٹنیاں دینے لگا اور اس کے جسم پر موجود شعلوں کو بجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایڈی اتنا حیران اور کمزور تھا کہ کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ جلد ہی وہ ایک ٹرانسپورٹ گاڑی میں تھا اور سب لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے اور چلا رہے تھے کہ وہ ہمت جمع رکھے۔ اس کی کمر بری طرح جل چکی تھی جبکہ گھٹنے سُن ہو چکے تھے۔ وہ شدید غشی اور تھکاوٹ کے عالم میں تھا۔

کیپٹن نے ان آخری لمحوں کو یاد کرتے ہوئے دھیرے سے سر ہلایا۔
''تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم وہاں سے کیسے نکلے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' ایڈی نے جواب دیا۔

''اس میں دو دن لگے۔ تم کبھی بے ہوش ہو جاتے اور کبھی ہوش میں آ جاتے۔ تمہارا بہت سا خون بہہ چکا تھا۔''

''لیکن بہر حال میں بچ گیا۔'' ایڈی نے کہا۔

''ہاں۔'' کیپٹن نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے اور ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''گولی تمہارے حق میں بہتر ثابت ہوئی۔''

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ گولی اس کے جسم سے پوری طرح نکالی نہ جا سکی۔ اس گولی نے اس کے کئی عصبے اور ریشے کاٹ دیے اور ہڈی کے ساتھ ٹکرا کر بکھر گئی اور اس ہڈی کو عمودی سمت میں توڑ ڈالا۔ ایڈی کے دو آپریشن ہوئے لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہوا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ تمام زندگی لنگڑاہٹ کا شکار رہے گا اور عمر گذرنے کے ساتھ یہ مزید بڑھتی جائے گی کیونکہ ہڈیاں مزید کمزور ہو چکی ہوں گی۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ بھی کر سکتے تھے وہ انہوں نے کر دیا تھا۔ ایڈی صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کی آنکھ ایک میڈیکل یونٹ میں کھلی اور اس کے بعد اس کی زندگی کبھی پہلے جیسی نہ رہی۔ وہ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ رقص نہیں کر سکتا تھا۔ سب سے بدتر یہ کہ وہ جس طرح پہلے محسوس کرتا تھا، اب اس طرح محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اب اُسے بہت سی چیزیں احمقانہ اور بے کار لگتی تھیں۔ جنگ رینگ کر ایڈی کے اندر، اس کی ٹانگ میں اور اس کی روح میں داخل ہو چکی تھی۔ اس نے فوجی کے طور پر بہت کچھ سیکھا۔ وہ جب گھر لوٹا تو ایک مختلف انسان تھا۔

''کیا تمہیں پتہ ہے؟'' کیپٹن پوچھ رہا تھا۔ ''ہمارا فوج کے ساتھ تعلق تین نسلوں سے ہے۔''

ایڈی نے شانے اچکائے۔

''میں تو چھ سال کی عمر میں پستول چلانا سیکھ گیا تھا۔ میرا باپ اس میں میری حوصلہ افزائی کرتا۔ کھانے کی میز پر ہر وقت ''یس سر، نو سر'' کی گردان چلتی۔''

''فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے میں صرف احکامات لیتا تھا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ میں احکامات دے رہا ہوں۔''

''امن ایک الگ چیز تھی۔ اس کے بارے میں ہر کوئی اپنی اپنی رائے رکھتا تھا۔ لیکن پھر جنگ

شروع ہوگئی اور نوجوان افراد دھڑادھڑ فوج میں شامل ہونے لگے۔ جیسے کہ تم۔ اور وہ سب مجھے سیلیوٹ کر رہے تھے اور جاننا چاہتے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ میں ان کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں دیکھ سکتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جیسے میں جنگ کے بارے میں کچھ جانتا ہوں جو کہ ایک خفیہ شے تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ میں انہیں زندہ رکھ سکتا تھا۔ تم بھی یہی سوچتے تھے۔ ہے کہ نہیں؟''

ایڈی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

کیپٹن پیچھے ہٹا اور اپنی گردن ملنے لگا۔ ''میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں بھی احکامات لیتا تھا۔ لیکن اگر میں تم لوگوں کو زندہ نہیں رکھ سکتا تو کم از کم اکٹھا تو رکھ سکتا ہوں۔ ایک بڑی جنگ کے درمیان آپ کو چھوٹی چھوٹی ترکیبیں لڑانی پڑتی ہیں اور ان پر یقین کرنا ہوتا ہے۔ جب آپ کو کوئی ترکیب سوجھ جاتی ہے تو آپ کو اسے اسی طرح گرفت میں لینا ہوتا ہے جس طرح فوکس ہول میں ایک فوجی اپنی صلیب پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتا ہے۔''

ایڈی نے سر ہلایا۔ ''اس کا بہت گہرا مطلب ہے۔'' وہ بولا۔

کیپٹن سیدھا اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ''ایسا ہی ہے۔''

کیپٹن نے اپنے سامنے والی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک اور سگریٹ نکال کر جلایا۔

''آپ نے ایسا کیوں کہا؟'' ایڈی نے پوچھا۔

کیپٹن نے دھواں خارج کیا اور پھر سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے سے ایڈی کی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیونکہ۔'' وہ کہنے لگا۔ ''تمہیں گولی میں نے ہی ماری تھی۔''

ایڈی نے اپنی ٹانگ کی طرف دیکھا تو ایسا کرتے ہوئے وہ شاخ سے جھول سا گیا۔ آپریشن کے نشان واپس آچکے تھے۔ درد بھی ہونے لگا تھا۔ اس کے اندر غصے اور نفرت کا ایک ایسا لاوا پھوٹ پڑا جو اس نے اپنی موت سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ حقیقت میں تو اس نے ایسا کئی سالوں سے محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ ایک شدید غصے کا لاوا تھا جس میں وہ چاہتا تھا کہ کسی کو زخمی کر دے۔ اس کی آنکھیں تنگ ہوگئیں اور اس نے کیپٹن کی جانب گھورا جو جواب میں اس کی جانب خالی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے جانتا ہو کہ کیا ہونے والا تھا۔ اس نے کی انگلی میں دبا سگریٹ گرا دیا۔

''آگے بڑھو۔''اس نے سرگوشی کی۔ایڈی چیختے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور گھوم کر ایک گھونسہ اسے مارنے کی کوشش کی۔دونوں آدمی لڑھکتے اور قلابازیاں کھاتے ہوئے درخت کی شاخوں سے نیچے گرنے لگے۔زمین پر گرتے ہی وہ دوبارہ اٹھے اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

''حرامزادے،تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں کیا حرامزادے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟''

وہ کچی زمین پر ایک دوسرے سے ہاتھاپائی میں لگے ہوئے تھے۔ایڈی نے کیپٹن کو سینے سے پکڑ رکھا تھا اور پوری طاقت سے اس کے چہرے پر گھونسے مار رہا تھا۔کیپٹن کے منہ سے خون نہیں نکل رہا تھا۔ایڈی نے کالر سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا اور نیچے گرا دیا۔وہ اسکے سر کو زور زور سے زمین سے ٹکرانے لگا۔کیپٹن نے آنکھ تک نہ جھپکی۔اس کے بجائے وہ ہر گھونسے کے ساتھ کروٹیں بدلتا ہوا اس سے دور ہونے کی کوشش کرتا اور ایڈی کو اس کا غصہ نکالنے کا موقع دیتا۔آخر کار اس نے ایڈی کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور سیدھا کھڑا کر دیا۔

''کیونکہ۔۔''اس نے اپنی کہنی ایڈی کے سینے سے ٹکاتے ہوئے کہا۔''اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہم تمہیں آگ میں کھو دیتے۔تم مر جاتے۔اور تمہارا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔''

ایڈی نے چلا کر کہا۔''میرا۔۔وقت؟''

کیپٹن نے بات جاری رکھی۔''تم پر آگ کے اندر جانے کا جنون سوار ہو چکا تھا۔مورٹن نے جب تمہیں روکنے کی کوشش کی تو تم نے اس کی ناک ہی توڑ دی تھی۔ہمارے پاس وہاں سے نکلنے کے لیے صرف ایک منٹ تھا اور تم اتنے طاقتور تھے کہ کسی کے قابو میں نہیں آرہے تھے۔''

ایڈی نے غصے کی ایک آخری لہر کو اپنے اندر محسوس کیا اور کیپٹن کو کالر سے پکڑا۔اس نے اسے اپنے قریب کیا۔اس نے دیکھا کہ اس کے دانت سگریٹ نوشی کی وجہ سے بھورے ہو چکے تھے۔

''میری۔۔۔ٹانگ۔۔۔''ایڈی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔''میری زندگی۔۔۔''

''میں نے تمہاری ٹانگ اس لیے لی۔''کیپٹن نے مدھم آواز میں کہا۔''تاکہ تمہاری زندگی بچا سکوں۔''

ایڈی نے اسے چھوڑ دیا اور تھک کر پیچھے ہو گیا۔اس کے بازو میں درد ہونے لگی۔اس کا سر گھوم رہا تھا۔وہ کئی سالوں سے اس ایک لمحے کے بارے میں سوچتا رہا تھا جب اس کی محض ایک غلطی سے

اس کی ساری زندگی تبدیل ہوگئی تھی۔

''اس جھونپڑی میں کوئی نہیں تھا۔ میں کیا سوچ رہا تھا؟ کاش میں وہاں نہ جاتا۔'' اس کی آواز بھرا گئی اور ایک سرگوشی میں بدل گئی۔ ''میں مر کیوں نہ گیا؟''

''کسی کو پیچھے نہیں چھوڑا جاتا۔ یاد ہے ناں۔'' کیپٹن نے کہا۔ ''تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، وہ میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ ایک فوجی بعض اوقات ایک ایسے پوائنٹ پر پہنچ جاتا ہے جب وہ اس سے مزید آگے نہیں جا سکتا۔ بعض اوقات ایسا آدھی رات کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ اپنے خیمے سے نکل آتا ہے اور ننگے پاؤں اور نیم برہنہ حالت میں چلنا شروع کر دیتا ہے جیسے اپنے گھر جا رہا ہو، جیسے وہ پاس ہی کہیں رہتا ہو۔''

''بعض اوقات عین لڑائی کے دوران ایسا ہوتا ہے۔ فوجی اپنی بندوق پھینک دیتا ہے اور اس کی آنکھیں ویران ہو جاتی ہیں۔ وہ فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ مزید نہیں لڑ سکتا۔ عام طور پر اسے ٹیکے لگانا پڑتے ہیں۔''

''تمہارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ تم اس آگ کے سامنے کھڑے تھے جو چند لمحوں پہلے ہم نے لگائی تھی۔ میں تمہیں زندہ جلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ ٹانگ کا زخم تو بھر جائے گا۔ ہم نے تمہیں وہاں سے نکالا اور دوسرے ساتھی تمہیں میڈیکل یونٹ لے گئے۔''

ایڈی یوں سانس لے رہا تھا جیسے اس کے سینے میں ہتھوڑے مارے جا رہے ہوں۔ اس کا سر مٹی اور پتوں سے اٹا ہوا تھا۔ کیپٹن نے اسے جو آخری بات کہی تھی اسے سمجھنے میں اسے ایک منٹ لگا۔

''دوسرے ساتھی؟'' ایڈی نے پوچھا۔ ''دوسرے ساتھی سے کیا مطلب؟''

ایڈی نے درخت کا ایک بڑا تنکا اپنی ٹانگ سے ہٹایا۔

''کیا تم نے مجھے کبھی دوبارہ دیکھا؟'' اس نے ایڈی سے پوچھا۔

ایڈی نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔ اسے طیارے کے ذریعے فوجی ہسپتال میں پہنچایا گیا تھا اور آخرکار اس کی معذوری کی وجہ سے اسے فوج سے فارغ کر کے واپس اس کے گھر امریکہ بھجوا دیا گیا۔ ایڈی کو کئی ماہ بعد پتہ چلا کہ کیپٹن بھی جنگ میں مارا گیا تھا تاہم وہ سمجھا کہ وہ کسی اور معرکے میں کسی اور یونٹ کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا ہوگا۔ آخر اسے ایک خط اور میڈل موصول ہوا تاہم ایڈی نے اسے کھولے بغیر ایک جانب رکھ دیا۔ کئی ماہ بعد جب جنگ ابھی جاری بلکہ پورے زوروں پر تھی تو ایڈی سب کچھ بھول گیا اور اسے ان تفصیلات میں کوئی دلچسپی بھی نہ تھی۔ اس دوران اس

کا پتہ بھی تبدیل ہو گیا۔

''جیسا کہ میں نے تمہیں کہا تھا۔'' کیپٹن بولا۔ ''تشنج؟ زرد بخار؟ وہ تمام ٹیکے؟ محض وقت کا ضیاع تھے۔''

اس نے ایڈی کے کندھے کے اوپر سے ایک جانب اشارہ کیا اور ایڈی مڑ کر دیکھنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ اچانک اس مقام پر ویران پہاڑیوں کے بجائے تھا اس زمانے کا منظر تھا جب وہ دشمن فوجیوں کی قید سے فرار ہوئے تھے۔ آسمان پر چاند بہت مدھم تھے اور ستارے حرکت میں تھے۔ جھونپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ کیپٹن گاڑی چلا رہا تھا جبکہ سمیٹی، مورٹن اور ایڈی ساتھ تھے۔ ایڈی پچھلی سیٹ پر تھا۔ وہ جلا ہوا، زخمی اور نیم بے ہوش تھا جبکہ مورٹن نے کہنی سے پٹی باندھ رکھی تھی۔ بمباری کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ سیاہ آسمان ہر چند سیکنڈ بعد روشن ہو رہا تھا جیسے سورج جل بجھ رہا ہو۔ گاڑی دھیرے دھیرے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچی اور پھر رک گئی۔ سامنے ایک گیٹ تھا جو عارضی طور پر لکڑی اور تاروں سے بنایا گیا تھا لیکن چونکہ دونوں اطراف کا علاقہ تباہ حال اور خراب تھا اس لیے وہ دوسری طرف سے گھوم کر نہیں جا سکتے تھے۔ کیپٹن نے رائفل تھامی اور چھلانگ مار کر گاڑی سے اتر گیا۔ اس نے فائر کر کے تالہ توڑ دیا اور گیٹ کو کھول دیا۔ اس نے مورٹن کو اشارہ کیا کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے اور پھر اپنی آنکھوں کی جانب اشارہ کر کے سگنل دیا کہ وہ آگے راستے کو چیک کرے گا جو گھومتا ہوا آگے ایک گھنے درختوں کے جھنڈ میں جا رہا تھا۔ وہ ننگے پاؤں جتنی تیزی سے بھاگ سکتا تھا، بھاگا اور پچاس میٹر کے فاصلے تک اس مقام پر پہنچا جہاں سڑک موڑ کاٹ رہی تھی۔

راستہ صاف تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ایک طیارہ اس کے سر پر نمودار ہوا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ وہ کس کا ہے۔ جس وقت وہ آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا تو اس کے دائیں پاؤں کے نیچے ہلکی سی 'کلک' ہوئی۔

بارودی سرنگ فوراً پھٹ گئی جیسے زمین کی گہرائی سے آتش فشاں پھوٹتا ہے۔ اس نے کیپٹن کو ہوا میں بیس فٹ تک اچھال دیا اور وہ چیتھڑوں میں بدل گیا۔ ہڈیوں اور اعضاء کے بڑے بڑے ٹکڑے اور سینکڑوں کی تعداد میں گوشت کے لوتھڑے بکھی زمین سے فضا میں اڑے اور ان میں سے کچھ وہاں موجود درختوں پر جا چپکے۔

دوسرا سبق

''اوہ میرے خدا۔'' ایڈی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا اور سر کو پیچھے کی طرف جھکالیا۔ ''اوہ میرے خدا، میں تو اس کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ سر، یہ بہت تکلیف دہ ہے۔''

کیپٹن نے سر ہلایا اور ایک سمت میں دیکھنے لگا۔ پہاڑیاں ایک بار پھر ویرانی میں بدل چکی تھیں جہاں اب صرف جانوروں کی ہڈیاں، ٹوٹے ہوئے چھکڑے اور گاؤں کی مخصوص باقیات کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایڈی سمجھ گیا کہ یہ کیپٹن کا قبرستان تھا۔ کوئی تدفین نہ قبر۔ محض اس کے جسم کے چیتھڑے اور کچی زمین۔

''تم اس وقت سے میرا انتظار کر رہے ہو؟'' ایڈی نے پوچھا۔

''وقت۔۔۔'' کیپٹن کہنے لگا۔ ''وقت وہ نہیں جو تم سوچتے ہو۔'' وہ ایڈی کے سامنے بیٹھ گیا۔

''موت ہر شے کا اختتام نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا ہے۔ لیکن زمین پر جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ صرف آغاز ہوتا ہے۔''

ایڈی گم سم تھا۔

''میرے خیال میں تو یہ بائبل جیسا ہے۔ آدم اور حوا کے معاملے جیسا؟'' کیپٹن کہنے لگا۔ ''آدم کی زمین پر پہلی رات؟ جب وہ سونے کے لیے لیٹتے ہیں؟ وہ سوچتے ہیں کہ سب ختم ہو چکا ہے، ٹھیک؟ وہ نہیں جانتے کہ نیند کیا ہے۔ ان کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ دنیا چھوڑ رہے ہیں۔ ٹھیک؟''

''لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ وہ اگلی صبح اٹھتے ہیں تو ایک پوری نئی دنیا موجود ہوتی ہے جہاں انہوں نے کام کاج کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ان کے پاس اس کے علاوہ بھی ایک چیز ہوتی ہے۔ ان کے پاس گذرا ہوا کل بھی ہوتا ہے۔''

کیپٹن بھرپور انداز میں مسکرایا: ''جوان، میں جس طرح دیکھتا ہوں، اسی طرح یہاں پہنچتا ہوں۔ جنت ایسی ہی ہے۔ تم نے اپنے گذرے ہوئے دنوں کو بامعنی بنانا ہوتا ہے۔''

اس نے اپنا پلاسٹک کی سگریٹ کا پیک نکالا اور اسے اپنی انگلی سے بجایا۔ ''تم سمجھ رہے ہو؟ میں ٹیچنگ کے معاملے میں کبھی بھی اتنا اچھا نہیں رہا۔''

ایڈی نے کیپٹن کو غور سے دیکھا۔ وہ ہمیشہ اُسے زیادہ عمر کا سمجھتا تھا۔ لیکن اب جب اس کے جسم اور چہرے سے کوئلے کی سیاہی مکمل طور پر غائب تھی تو اس نے اس کی جلد پر تازگی کی لکیریں دیکھیں۔ اس کے بال بھرپور سیاہ تھے۔ وہ صرف تیس کے پیٹے میں تھا۔

''تم اپنی موت سے لیکر اب تک یہاں پر ہو؟'' ایڈی نے کہا۔ ''لیکن یہ تمہاری زندگی سے دوگنا عرصہ ہے۔''

کیپٹن نے سر ہلایا۔

''میں تمہارا انتظار کرتا رہا ہوں۔''

ایڈی نے نیچے دیکھا۔

''نیلے آدمی نے بھی یہی کہا تھا۔''

''اچھا، وہ بھی تھا۔ وہ بھی تمہاری زندگی کا حصہ تھا، تم دنیا میں کیوں تھے اور کیسے تھے، وہ اس کا حصہ تھا۔ وہ اس کہانی کا حصہ تھا جس کے بارے میں تمہیں جاننے کی ضرورت تھی۔ لیکن اس نے تمہیں کہانی سنادی، اس لیے اب وہ یہاں سے پرے چلا گیا ہے اور مختصر الفاظ میں مَیں بھی جانے والا ہوں۔ چنانچہ سنو۔ کیونکہ تم یہاں پر یہی جاننے کے لیے ہو۔''

ایڈی اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''قربانی، ایثار۔۔۔'' کیپٹن کہنے لگا۔ ''تم نے قربانی دی۔ میں نے قربانی دی۔ ہم سب قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن تم اپنی قربانیوں پر غصے میں ہو۔ تم نے جو کچھ کھویا تھا، اس کے بارے میں سوچتے رہے۔''

''تم سمجھے نہیں تھے۔ قربانی زندگی کا حصہ ہوتی ہے۔ اسے دینا ہوتا ہے۔ یہ کوئی افسوس کرنے کی

چیز نہیں ہوتی۔اس پر تو فخر کیا جاتا ہے۔چھوٹی قربانی، بڑی قربانی۔ایک ماں کام کرتی ہے تا کہ اس کا بیٹا سکول جا سکے۔ایک بیٹی گھر پہنچتی ہے تا کہ اپنے بیمار باپ کی خدمت کر سکے۔"

"آدمی جنگ کے لیے جاتا ہے۔۔۔"

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا اور بادلوں سے گھرے سرمئی آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔

"تمہیں پتہ ہے، رابوزو کی موت بلاوجہ نہیں تھی۔اس نے اپنے ملک کے لیے قربانی دی اور اس کا خاندان یہ جانتا تھا اور اس کا چھوٹا بھائی بھی فوج میں گیا تا کہ فوجی بن سکے اور اپنے ملک کے لیے قربانی دے سکے کیونکہ وہ اپنے بھائی سے متاثر تھا۔"

"میری موت بھی بلاوجہ نہیں تھی۔اس رات شاید ہم سب بارودی سرنگ کے اوپر سے گذر جاتے اور ہم چاروں ہلاک ہو جاتے۔"

ایڈی نے سر ہلایا۔"لیکن تم۔۔۔"اس نے سر جھکایا۔"لیکن تم زندگی سے محروم ہو گئے۔"

کیپٹن نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔"یہی بات ہے۔بعض اوقات جب آپ اپنی کسی پیاری چیز کی قربانی دیتے ہیں تو آپ اس سے محروم نہیں ہوتے، بلکہ آپ اسے کسی اور کے حوالے کر رہے ہوتے ہیں۔"

کیپٹن اپنے ہیلمٹ، رائفل اور ڈوگ ٹیگ کے قریب آیا جو علامتی قبر کے طور پر اب تک زمین میں گڑی ہوئی تھی۔اس نے ہیلمٹ اور ٹیگ کو بغل میں دبایا اور رائفل کو مٹی سے کھینچ کر جیولن کی طرح ہوا میں اچھال دیا۔وہ زمین پر نہ گری بلکہ آسمان کی طرف گئی اور غائب ہو گئی۔کیپٹن مڑا۔

"میں نے تمہیں گولی ماری۔ٹھیک؟"وہ بولا۔"اور تم کسی شے سے محروم ہو گئے۔لیکن تم نے ایک چیز پا بھی لی۔تمہیں ابھی تک اس کا پتہ نہیں چلا۔میں نے بھی کچھ پایا۔"

"کیا؟"

"مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا تھا۔میں نے تمہیں پیچھے نہ چھوڑا۔"

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ٹانگ کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

ایڈی نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔اس نے اس تلخی کے بارے میں سوچا جو اس نے زخمی ہونے کے بعد سہی تھی۔اور اس غصے کے بارے میں سوچا جو اسے بہت سی چیزیں ترک کرنے کے باعث

تھا۔ پھر اس نے کیپٹن کے بارے میں سوچا کہ اس نے کیا چیز چھوڑی تھی تو وہ شرمسار ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ کیپٹن نے اسے مضبوتی سے تھام لیا۔

''میں اسی لمحے کا منتظر تھا۔''

اچانک درختوں کی شاخوں سے لپٹی انگور کی بیلیں نیچے آن گریں اور ایک سسکاری کے ساتھ پگھل کر زمین میں مل گئی۔ تیزی سے نئی شاخیں نکلیں اور دور دور تک پھیل گئیں جن پر ہموار اور مضبوط پتے تھے اور انجیروں کے خوشے تھے۔ کیپٹن نے محض سرسری انداز میں دیکھا جیسے اسے پہلے ہی اس کی امید تھی۔ پھر اس نے اپنی کھلی ہتھلیوں کو استعمال کیا اور اپنے چہرے سے باقی ماندہ راکھ کو صاف کیا۔

''کیپٹن؟'' ایڈی نے کہا۔

''ہاں؟''

''یہاں ہی کیوں؟ تم کہیں اور بھی انتظار کر سکتے تھے۔ ٹھیک؟ نیلے آدمی نے بھی یہی کہا تھا۔ آخر یہ جگہ ہی کیوں؟''

کیپٹن مسکرایا۔ ''کیونکہ میں جنگ میں ہلاک ہوا تھا۔ میں ان پہاڑیوں میں ہلاک ہوا تھا۔ میں جس وقت ہلاک ہوا تو مجھے دنیا میں سوائے جنگ کے کسی شے کا علم نہ تھا۔ جنگ کی باتیں۔ جنگی جہاز، جنگی خاندان۔۔۔''

''میری خواہش تھی کہ دیکھوں کہ دنیا جنگ کے بغیر کیسی دکھائی دیتی ہے۔ اس سے پہلے ہی ہم نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا۔''

ایڈی نے آس پاس دیکھا۔ ''لیکن یہ جنگ ہے۔''

''تمہارے لیے، لیکن ہماری آنکھیں کچھ اور دیکھتی ہیں۔'' کیپٹن بولا۔ ''تمہاری آنکھیں جو دیکھتی ہیں، ہم وہ نہیں دیکھتے۔''

اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور وہ تباہ شدہ تمام علاقہ ایک دم بدل گیا۔ ملبہ غائب ہو گیا، درخت اگ آئے اور پھیل گئے۔ مٹیالی اور خشک دھرتی ایک دم سرسبز و شاداب ہو گئی اور ہر طرف ہری ہری گھاس نکل آئی۔ تاریک بادلوں کے سامنے سے مانو جیسے پردہ ہٹ گیا اور صاف ستھرا چمکدار آسمان دکھائی دینے لگا۔ درختوں کے اوپر ایک پرنور روشنی پھیل گئی اور افق پر آڑو کی رنگت کا حسین آسمان جھلکنے لگا جس میں مچلتے سمندر کا عکس دکھائی دے رہا تھا جس نے پورے جزیرے کو گھیرے میں لے

رکھا تھا۔ یہ خالص، غیر استعمال شدہ اور ان چھوا حسن تھا۔

ایڈی نے سر اٹھا کر اپنے پرانے کمانڈنگ آفیسر کو دیکھا جس کا چہرہ اب ایک دم نکھرا ہوا اور یونیفارم صاف ستھرا اور استری شدہ ہو چکا تھا۔

''مجھے یہ سب دکھائی دیتا ہے۔'' اس نے افق کی جانب اشارہ کیا۔

وہ کچھ دیر وہاں رکا اور اس منظر کو اپنے اندر جذب کرنے لگا۔

''آپس کی بات ہے، میں اب سگریٹ نہیں پیتا۔ یہ صرف تمہیں دکھائی دیتا ہے۔'' وہ چہکا۔

''میں بھلا جنت میں سگریٹ کیوں پینے لگا؟''

وہ دور جانے لگا۔

''رکو۔'' ایڈی چلایا۔ ''مجھے کچھ بتاتے جاؤ۔ روبی پارک میں میری موت کے بارے میں۔ کیا میں نے اس بچی کو بچا لیا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں محسوس کیا تھا۔ لیکن مجھے مزید کچھ یاد نہیں۔''

کیپٹن مڑا اور ایڈی نے اپنے الفاظ کو نگلا کہ اسے ایسا پوچھتے ہوئے شدید شرمندگی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ کیپٹن تو خود بہت المناک موت کا شکار ہوا تھا۔

''میں بس جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ بڑبڑایا۔

کیپٹن نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ وہ ایڈی کی جانب ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہیں نہیں بتا سکتا، جوان۔''

ایڈی نے سر جھکا لیا۔

''لیکن کوئی تمہیں بتا دے گا۔''

اس نے ہیلمٹ اور ٹیگ کو ہوا میں اچھال دیا۔ ''یہ تمہارے ہیں۔''

ایڈی نے نیچے دیکھا۔ ہیلمٹ کے اندر ایک عورت کی تڑی مڑی تصویر تھی جس نے ایک بار پھر ایڈی کے دل میں درد جگا دیا۔ اس نے جب اوپر دیکھا تو کیپٹن جا چکا تھا۔

پیر، صبح ساڑھے سات بجے

حادثے کے بعد اس صبح ڈومینیگز وقت سے پہلے کام پر آ گیا۔ اس نے ناشتے میں اپنا مخصوص اور پسندیدہ کھانا بھی نہ کھایا جو کہ تلی ہوئی مچھلی اور سافٹ ڈرنک پر مشتمل تھا۔ پارک بند تھا لیکن وہ آ گیا۔ وہ پانی کے سنک کی طرف مڑا۔ اس نے اپنا ہاتھ چلتے ہوئے پانی کے نیچے رکھا او جھولوں کے پرزے صاف کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر اس نے پانی بند کیا اور یہ خیال ترک کر دیا۔ پھر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

ولی شاپ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے ایک سبز ٹینک ٹاپ اور ڈھیلی ڈھالی جینز کی پتلون پہن رکھی تھی۔ اس نے اخبار پکڑا ہوا تھا جس پر شہ سرخی دکھائی دے رہی تھی۔

''تفریحی پارک میں المناک حادثہ۔''

''نیند نہیں آ رہی۔'' ڈومینیگز کے منہ سے نکلا۔

''ہاں۔'' ولی لوہے کے ایک سٹول پر بیٹھ گیا۔ ''میرا بھی یہی حال ہے۔''

وہ سٹول پر نیم دائرے کی شکل میں گھوما اور خالی خالی نظروں سے اخبار کی جانب دیکھنے لگا۔

''تمہارے خیال میں وہ پارک کو دوبارہ کب کھولیں گے؟''

ڈومینیگز نے کندھے اچکائے۔ ''پولیس سے پوچھو۔''

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور یونہی ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ ڈومینیگز نے ایک آہ بھری۔ ولی نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چیونگم کی سٹک تلاش کرنے لگا۔ یہ پیر کا روز تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ وہ بوڑھے آدمی کا انتظار کر رہے تھے تا کہ کام شروع کر سکیں۔

جنت میں تیسرے فرد سے ملاقات

اچانک ایک تیز ہوا نے ایڈی کو اوپر اٹھایا اور وہ اس طرح گھوما جیسے ایک زنجیر کے سرے پر موجود جیبی گھڑی گھومتی ہے۔ دھوئیں کے ایک دھماکے نے اسے اپنے اندر چھپا لیا اور وہ رنگوں کے ایک بہت بڑے گولے میں چھپ کر رہ گیا۔ اسے یوں لگا کہ آسمان نیچے کو آ رہا ہے اور پھر اسے لگا کہ جیسے وہ اس کی جلد کو ایسے چھو رہا تھا جیسے کوئی لحاف اس کے گرد لپٹ گیا ہو۔ پھر آسمان ایک دم دور ہٹ گیا اور دھماکے کے ساتھ پھٹ سا گیا۔ ایک دم لاکھوں کی تعداد میں ستارے اس کے سامنے ظاہر ہوئے اور یوں محسوس ہوا جیسے کسی ہرے رنگ کے مواد پر نمک چھڑکا گیا ہو۔

ایڈی نے پلکیں جھپکائیں۔ وہ اب ایک پہاڑی سلسلے میں تھا۔ لیکن یہ انتہائی قابل زکر پہاڑیاں تھیں۔ ایک ایسا سلسلہ تھا جو ختم ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس میں برف سے ڈھکی چوٹیاں تھیں، بڑے بڑے چٹانی پتھر تھے اور نہایت گلابی رنگ کی گھاٹیاں تھیں۔ کچھ فاصلے پر ایک عظیم الشان سیاہ جھیل تھی جس کے پانی میں چاند کا عکس اپنی تمام تر نفاست کے ساتھ چمک رہا تھا۔

پہاڑی چٹان کے نیچے ایڈی نے ایک رنگین روشنی کو جلتے بجھتے دیکھا جو ہر چند سیکنڈ کے بعد بہت ردھم کے ساتھ ایسا کر رہی تھی۔ اس نے اس سمت میں قدم بڑھائے تو اسے پتہ چلا کہ وہ ٹخنوں تک برف میں دھنسا ہوا تھا۔ اس نے اپنا پاؤں باہر نکالا اور زور سے ہلایا۔ برف کے گالے ڈھیلے پڑ گئے اور سنہری مائل ہوتے چلے گئے۔ جب اس نے ان گالوں کو چھوا تو وہ ٹھنڈے تھے نہ گیلے۔

میں اب کہاں ہوں؟ ایڈی نے سوچا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے جسم کو چھو کر محسوس کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے کندھوں، اپنے سینے اور پیٹ کو چھوا۔ اس کے بازوؤں کے پٹھے کسے ہوئے تھے تاہم درمیانی حصہ ڈھیلا اور چربی والا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے بائیں ٹخنے کو دبایا۔ شدید درد سے وہ کراہ کر رہ گیا۔ کیپٹن کو چھوڑتے وقت

اسے امید تھی کہ اس کے زخم غائب ہو جائیں گے۔ اس کے بجائے اُسے لگ رہا تھا کہ وہ اسی طرح کا آدمی بن چکا تھا جیسے زمین پر ہوا کرتا تھا۔ زخمی اور فربہ۔ جنت آپ کو آپ کے گلنے سڑنے سے نجات کیوں دے گی؟

اس نے اس تنگ چٹانی راستے پر دکھائی دینے والی جلتی بجھتی روشنی کا تعاقب کیا۔ یہ سرسبز وشاداب اور خاموش علاقہ دل کو موہ لینے والا تھا اور ایڈی جنت کو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ کیا اس کا کام ختم ہو چکا ہے، کیا کیپٹن غلط تھا، کیا اسے وہاں اور لوگ بھی ملنا تھے۔ وہ برف زار سے گذرتا ہوا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس صاف میدانی علاقے کی طرف بڑھا جہاں سے وہ روشنی آرہی تھی۔ اس نے غیر یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکائیں۔

اس برفانی میدان کے بیچوں بیچ ایک دلکش شکل کی حامل عمارت کھڑی تھی جس کا بیرونی حصہ سٹین لیس سٹیل کا بنا ہوا تھا اور سرخ رنگ کی بیرل چھت تھی۔ اوپر ایک جلتا بجھتا ہوا لفظ لکھا تھا، ''کھاؤ پیو۔'' وہ ایک ضیافت تھی۔

ایڈی ایسی جگہوں پر بہت وقت گذار چکا تھا۔ وہ سب ایک جیسی لگتی تھیں۔ اس عمارت میں چھوٹے چھوٹے پتھر کے بوتھ، چمکتے ہوئے کاؤنٹر اور سامنے والے حصے میں چھوٹے چھوٹے پلوں والی کھڑکیوں کا سلسلہ تھا جہاں باہر سے دیکھنے سے گاہک یوں دکھائی دیتے تھے جیسے کھلونا ریل گاڑی میں سے مسافر جھانک رہے ہوں۔ ایڈی ان کھڑکیوں کے ذریعے واضح طور پر اندر دیکھ سکتا تھا۔ لوگ باتوں اور مختلف حرکات وسکنات میں مشغول تھے۔ وہ برف سے ڈھکے زینے پر سے اوپر چڑھتا ہوا عمارت کے دو پلے والے دروازے میں پہنچا۔ اس نے اندر کی جانب نظر دوڑائی۔

اس کے دائیں جانب ایک بوڑھا جوڑا بیٹھا تھا اور کچھ کھانے میں مشغول تھا۔ انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ دیگر افراد سنگ مرمر کے کاؤنٹر کے ساتھ یا بوتھوں میں مخصوص کھانے کی کرسیوں پر بیٹھے تھے اور ان کے کوٹ کنڈوں سے لٹکے ہوئے تھے۔ وہ مختلف دہائیوں یا زمانے کے لوگ دکھائی دیتے تھے۔ ایڈی نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے انیس سو تیس کی دہائی کا اونچے کالروں والا لباس پہنا ہوا تھا جبکہ ایک لمبے بالوں والے نوجوان آدمی نے اپنے بازو پر انیس سو ساٹھ کی دہائی کا ٹیٹو بنوا رکھا تھا۔ وہاں پر بہت سے لوگ زخمی دکھائی دیتے تھے۔ ایک سیاہ فام شخص جس نے ورک شرٹ پہن رکھی تھی، کا ایک بازو غائب تھا۔ ایک نوعمر لڑکی کے چہرے پر زخم کا گہرا نشان تھا۔ ان میں سے کوئی

بھی ایڈی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ باورچیوں نے کاغذی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں اور کاؤنٹر پر پڑی پلیٹ میں موجود کھانا بھاپ چھوڑ رہا تھا۔ وہاں پر قسم قسم کے کھانے موجود تھے جن کی خوشبو اشتہا انگیز اور صورت دل کو للچانے والی تھی۔ وہاں پر گہری سرخ چٹنی اور زرد مکھن کے پیڑے بھی موجود تھے۔ ایڈی کی نظر گردش کرتی ہوئی دائیں جانب واقع آخری بوتھ کی طرف پڑی۔ وہ وہیں ساکت رہ گیا۔

اس نے جو دیکھا، وہ اس کے یقین سے باہر تھا۔

''نہیں!'' اس نے خود سے سرگوشی کی۔

وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔وہ کھڑکیوں کے پلوں کو زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔

''نہیں!'' وہ چلایا۔ ''نہیں، نہیں، نہیں۔۔۔'' وہ اتنے زور سے کھڑکی بجانے لگا کہ یوں لگا کہ اس کے شیشے ٹوٹ جائیں گے۔وہ مسلسل ''نہیں، نہیں'' چلائے جا رہا تھا۔حتیٰ کہ اس کی زبان پر وہ لفظ آ گیا جو اس نے کئی دہائیوں سے بولنا چھوڑ دیا تھا بلکہ وہ اس کو بھول چکا تھا۔اس نے پوری طاقت سے یہ لفظ دہرایا۔وہ پوری طاقت سے چیخا حتیٰ کہ اس کا گلا بیٹھ گیا اور سر درد سے پھٹنے لگا۔ تاہم بوتھ میں بیٹھے ہوئے اس شخص پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بے نیاز ہو کر بیٹھا رہا۔اس نے ایک ہاتھ کرسی پر ٹکا رکھا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں سگار تھا۔اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اوپر نظر کر کے نہیں دیکھا حالانکہ اس سے چند میٹر کے فاصلے پر ایڈی کھڑا مسلسل چلائے جا رہا تھا۔

''ڈیڈی!۔۔۔ڈیڈی!۔۔۔ڈیڈی!۔۔۔''

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

وی اے ہسپتال کے نیم تاریک اور ٹھنڈے برآمدے میں ایڈی کی ماں ایک سفید رنگ کا بیکری باکس کھولتی ہے اور کیک پر موم بتیوں کو نئے سرے سے سجاتے ہوئے بارہ موم بتیاں ایک طرف اور بارہ موم بتیاں دوسری طرف لگاتی ہے۔ دیگر لوگ جن میں ایڈی کا باپ، بھائی جو، مارگریٹ اور مکی شیا اس کے آس پاس کھڑے اسے دیکھ رہے ہیں۔

''کیا کسی کے پاس ماچس ہے؟'' وہ سرگوشی کرتی ہے۔

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگتے ہیں۔ مکی اپنی جیب سے ماچس کا ایک پیکٹ نکالتا ہے تو دو سگریٹ فرش پر گر پڑتے ہیں۔ ایڈی کی ماں موم بتیاں جلاتی ہے۔ ہال سے لفٹ کی سیٹی کی آواز سنائی دیتی ہے۔

''سب ٹھیک ہے، شروع کرتے ہیں۔'' وہ کہتی ہے۔

وہ ایک جگہ جمع ہونے لگتے ہیں تو موم بتیوں کے ننھے ننھے شعلے لرزنے لگتے ہیں۔ وہ سب ایڈی کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور دھیرے سے گانے لگتے ہیں۔ ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔''

بستر میں لیٹا ہوا فوجی ذرا سا اٹھتے ہوئے چلا کر کہتا ہے: ''کیا مصیبت ہے؟''

پھر اچانک صورت حال کا اندازہ ہونے پر وہ دوبارہ لیٹ جاتا ہے اور جھینپ جاتا ہے۔ ان کا ہیپی برتھ ڈے کا نغمہ جو بیچ میں ہی رک گیا تھا، دوبارہ اس طرح سے بلند نہیں ہوتا اور صرف ایڈی کی ماں ہی اپنی لرزتی ہوئی آواز میں اسے جاری کرتی ہے۔

''ہیپی برتھ ڈے پیارے ایڈی۔۔'' پھر وہ جلدی سے کہتی ہے۔ ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔۔''

ایڈی ایک تکیے کے ساتھ ٹیک لیتا ہے۔ اس کے جسم کی جلی ہوئی جگہوں پر پٹی بندھی ہے۔ اس کی ٹانگ پر ایک لمبا پلاسٹر چڑھا ہے اور کاسٹ کے اندر ہے۔ بستر کے ساتھ بیساکھیوں کی ایک جوڑی

رکھی ہے۔ وہ اپنے اردگرد جمع چہروں کو دیکھتا ہے اور ایک لمحے کے لیے تو اس کا دل چاہتا ہے کہ وہاں سے بھاگ جائے۔

جوگلا کھنگارتا ہے۔ ''جی جناب، تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔'' دوسرے لوگ فوری طور پر اس کی تائید کرتے ہیں۔

ایڈی کی ماں آگے بڑھتی ہے جیسے اب اس کی باری ہے۔ وہ کارڈبورڈ کا ایک ڈبہ ایڈی کو پیش کرتی ہے۔

''شکریہ ماں۔'' ایڈی بڑبڑاتا ہے۔

وہ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھتی ہے۔ ''میں اسے کہاں رکھوں؟''

مکی جلدی سے ایک کرسی سامنے رکھتا ہے۔ جو ایک میز کو صاف کرتا ہے۔ مارگریٹ ایڈی کی بیساکھیوں کو سامنے کرتی ہے۔ صرف ایڈی کا باپ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا، یا پھر وہ کچھ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ وہ پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑا ہے۔ جیکٹ اس کے بازو پر دھری ہے اور وہ غور سے ایڈی کی ٹانگ کی طرف دیکھ رہا ہے جس پر ران سے لیکر گھٹنے تک پلستر چڑھا ہے۔

ایڈی اپنے باپ کی جانب دیکھتا ہے۔ اس کا باپ نیچے دیکھتا ہے اور کھڑکی کے پلے پر ہاتھ پھیرنے لگتا ہے۔ ایڈی اپنے ہر پٹھے کو اکڑا لیتا ہے اور پوری قوت کے ساتھ اپنی آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو باہر نکلنے سے روکتا ہے۔

بچے اور ان کا بچپن

سب والدین اپنے بچوں کو خراب کرتے اور بگاڑتے ہیں۔ اس معاملے میں کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ نوجوان نازک شیشے کی طرح ہوتے ہیں جو اپنے بڑوں کے نقش کو اسی طرح اپنے اوپر لیتے ہیں جس طرح شیشے پر ہاتھوں کا نشان چھپ جاتا ہے۔ کچھ والدین اس شیشے پر خراشیں ڈالتے ہیں، کچھ اس کو تڑخا دیتے ہیں اور کچھ کرچی کرچی کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض والدین اپنے بچوں کا بچپن اس طرح خراب کر دیتے ہیں کہ وہ پھر ناقابل اصلاح ہوتا ہے۔

ایڈی کے باپ نے اپنے بچوں کے بچپن کے ساتھ جو غلطی کی، وہ لاپروائی اور نظر انداز کرنے کی غلطی تھی۔ جب ایڈی شیر خوار تھا تو اس کے باپ نے بہت کم اسے گود میں اٹھایا اور جب وہ بچہ تھا تو بیشتر مرتبہ اسے سختی سے بازو سے پکڑا جس میں پیار کے بجائے غصے اور ناراضگی کا عنصر زیادہ ہوا کرتا۔ پیار اور محبت کے لیے ایڈی کے پاس اس کی ماں تھی جبکہ نظم وضبط کے لیے باپ۔

ہر ہفتے کے روز ایڈی کا باپ اسے روبی پارک لے جاتا۔ ایڈی جب اپنے گھر سے پارک کے لیے روانہ ہوتا تو اس کے ذہن میں مزیدار اور دلچسپ جھولوں اور کاٹن کینڈیز کا خیال ہوتا تاہم ایک آدھ گھنٹے بعد اس کا باپ کسی شناسا چہرے کو دیکھتا اور کہتا۔ ''کچھ دیر کے لیے اس بچے کا خیال رکھنا۔'' دوپہر کے بعد جا کر کہیں جب اس کا باپ واپس لوٹتا تو اکثر شراب کے نشے میں ہوتا۔ اس دوران ایڈی کسی بازی گر یا جانور سدھانے والے کسی شخص کے حوالے رہتا۔

جب وہ کافی بڑا ہو گیا تب بھی اکثر گھنٹوں بورڈ واک پر بیٹھا اپنے باپ کی توجہ کا منتظر رہتا۔ وہ اکثر شارٹس پہنے جنگلے پر یا مرمتی دکان میں اوزاروں کے بکسے پر بیٹھا رہتا۔ اکثر وہ کہتا۔ ''میں مدد کروں، میں مدد کروں۔'' لیکن اس کو جو واحد کام دیا جاتا وہ یہ تھا کہ وہ صبح پارک کھلنے سے پہلے آسمانی جھولے کے نیچے جائے اور ان سکوں کو جمع کرے جو کہ گذشتہ رات گاہکوں کی جیبوں سے گرے

ہوتے تھے۔

ہفتے میں چار دن اس کا باپ کارڈ کھیلتا۔ ان کی میز پر پیسے، بوتلیں، سگریٹ اور قواعد دھرے ہوتے۔ ایڈی کے لیے اصول بہت سادہ تھا کہ وہ ڈسٹرب نہ کرے۔ ایک مرتبہ اس نے باپ کے بہت نزدیک ہوکر اس کے کارڈز کو دیکھنے کی کوشش کی تو اس کے باپ نے سگار نیچے رکھا اور زور سے چنگھاڑتے ہوئے الٹے ہاتھ کا ایک تھپڑ ایڈی کے گال پر مارا۔ ''میرے سر مت چڑھو۔'' وہ بولا۔ ایڈی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جس پر اس کی ماں کمرے سے پکڑ کر اسے دور لے گئی اور اپنے خاوند کو غصے سے گھورنے لگی۔ ایڈی اس روز کے بعد سے اپنے باپ کے اتنا نزدیک نہیں گیا۔

اس کے علاوہ جب کبھی اس کا باپ کارڈز کی گیم ہار رہا ہوتا اور شراب بھی ختم ہو چکی ہوتی جبکہ ماں پہلے ہی سو چکی ہوتی تو وہ اپنا غصہ ایڈی اور جو کے کمرے میں لے کر نازل ہو جاتا۔ وہ الماری میں رکھے ہوئے چھوٹے موٹے کھلونوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا اور یا دیواروں سے مارنے لگتا۔ اس کے بعد بیٹوں کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیتا اور بیلٹ ان کی پشت پر برسانے لگتا۔ اس کے ساتھ وہ چلاتا کہ وہ اس کے پیسے کو فضول چیزوں پر ضائع کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ایڈی دعا کرتا کہ کاش اس کی ماں جاگ جائے اور آ کر انہیں بچائے۔ لیکن اگر وہ کبھی جاگ بھی جاتی تو وہ اسے خبردار کرتے ہوئے کہتا۔ ''تم اس معاملے سے دور رہو۔'' چنانچہ وہ اس موقع پر اپنی ماں کو بھی بے بس پاتے اور انہیں سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

چنانچہ ایڈی کے بچپن کے شیشے پر ہاتھ بہت سخت رہے تھے اور یہ شیشہ غصے اور تلخی سے سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی جوانی کا زمانہ بھی ڈانٹ ڈپٹ، غصے اور مار پیٹ میں گذرا۔ لاپروائی اور نظر اندازی کے بعد یہ دوسرا نقصان تھا جو اسے اس کے باپ کی طرف سے دیا گیا۔ یعنی یہ تشدد کا نقصان تھا۔ وہ اس چیز کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ اسے اپنے برامدے میں چلتے ہوئے باپ کے جوتوں کی آواز سے پتہ چل جاتا تھا کہ وہ غصے میں ہے یا نہیں اور اگر غصے میں ہے تو اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

تاہم ان تمام باتوں کے باوجود، ان تمام تلخیوں کے باوجود ایڈی اپنے باپ سے محبت کرتا تھا کیونکہ بیٹے تمام تر حالات کے باوجود اپنے باپ سے محبت کرتے ہی ہیں۔ اس محبت سے ہی انہوں نے عقیدت کو سیکھا۔ خود کو خدا کے سامنے جھکانے یا کسی عورت کے عشق میں گرفتار ہونے سے پہلے ایک لڑکا پہلے اپنے باپ کے سامنے خود کو جھکاتا ہے چاہے یا کتنا ہی احمقانہ اور ناقابل وضاحت

کیوں نہ ہو۔

اکثر اوقات اس کا باپ اس کی کامیابیوں اور بعض اوقات اس کے منفی رویوں پر بھی فخر کا اظہار کرتا جس سے اس کی فطرت کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ ایڈی کو اس موقع پر صاف محسوس ہو جاتا کہ اس کا باپ اس سے کیا چاہتا تھا۔ چودہ ایونیو پر واقع سکول کے میدان میں جب وہ بیس بال کی فیلڈ میں ہوتا تو اس کا باپ باؤنڈری کے دوسری طرف موجود ہوتا اور ایڈی کو کھیلتے ہوئے دیکھتا۔ اگر ایڈی بال کو آؤٹ فیلڈ میں پھینک دیتا تو باپ سر ہلاتا۔ اس سے ایڈی کو اندازہ ہو جاتا کہ وہ اس سے خوش ہوا ہے۔ اس طرح بعض اوقات جب ایڈی باہر کسی سے لڑ جھگڑ کر گھر آتا تو اس کا باپ اس کے جسم پر خراشوں اور پھٹے ہوئے ہونٹوں کو دیکھ لیتا۔ اس موقع پر وہ اس کی حالت کے بارے میں کچھ کہنے کے بجائے پوچھتا: ''دوسرے لڑکے کے ساتھ کیا ہوا؟'' جس پر ایڈی اسے بتاتا کہ اس نے اس کو خوب سبق سکھایا ہے۔ اس پر بھی باپ خوش ہوتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے ان لڑکوں، جن کو اس کی ماں نے غنڈے کہا تھا، کو پیٹا تھا جو اس کے بھائی کو تنگ کر رہے تھے تو اس کا بھائی شرم سے پانی پانی ہو گیا تھا اور کمرے میں جا کر چھپ گیا تھا تو اسے یاد تھا کہ اس کے باپ نے کہا تھا۔ ''اس کی فکر نہ کرو۔ تم زیادہ طاقتور ہو۔ اپنے بھائی کی حفاظت کرو۔ کسی کو اسے ہاتھ نہ لگانے دینا۔''

ایڈی جب جونیئر ہائی سکول میں گیا تو وہ اپنے باپ کے شیڈول کی نقالی کرتا۔ سورج نکلنے سے پہلے جاگتا اور رات ہونے تک پارک میں کام کرتا۔ شروع میں وہ سادہ قسم کے جھولے وغیرہ چلاتا، ان کی بریکیں وغیرہ ٹھیک کرتا، ٹرین کار کو دھیرے سے روکتا وغیرہ۔ بعد کے سالوں میں وہ مرمتی ورکشاپ میں کام کرنے لگا۔ ایڈی کا باپ چیزوں کی دیکھ بھال اور مرمت کے معاملے میں اس کا امتحان لیتا۔ وہ اسے ٹوٹا ہوا سٹیرنگ وہیل دیتا اور کہتا کہ اسے ٹھیک کرے۔ اس کے علاوہ بھی وہ اسے مختلف چیزوں کی مرمت کے نام پر ٹیسٹ کرتا اور ایڈی اس قدر قابل تھا کہ وقت سے پہلے ان چیزوں کی مرمت کر کے باپ کے حوالے کر دیتا اور کہتا۔ ''یہ ٹھیک ہو گئی ہے۔''

رات کو جب وہ کھانے کی میز پر اکٹھا ہوتے تو اس کی ماں پسینے میں شرابور اور تھکی ہونے کے باوجود چولہے کے قریب کھڑی کچھ پکا رہی ہوتی۔ اس کا بھائی جو ایک طرف کھڑا باتوں میں مشغول ہوتا جبکہ اس کے بالوں اور جسم سے سمندری پانی کی بو آ رہی ہوتی۔ جو اچھا تیراک بن چکا تھا اور گرمیوں

کے موسم میں روبی پارک کے سوئمنگ پول پر کام کرتا تھا۔ جوان تمام لوگوں کے بارے میں بتاتا جن سے وہ وہاں پر ملتا۔ وہ ان کے تیراکی کے لباس اور دولت کی باتیں کرتا۔ ایڈی کا باپ اس سے متاثر نہ تھا۔ ایک بار ایڈی نے سنا کہ وہ جو کے بارے میں اس کی ماں سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ اتنا صحت منداور مضبوط نہیں کہ پانی کے علاوہ کہیں اور کام کر سکے۔''

تاہم ایڈی اپنے بھائی کے صاف ستھرے کام سے جلنے لگا تھا۔ وہ بہت صاف ستھرا اور خوبصورت جلد والا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ایڈی کے ناخنوں میں اس کے باپ کی طرح میل بھرا ہوتا تھا اور جو عام طور پر گریس وغیرہ ہوتی تھی۔ چنانچہ جب وہ کھانے کے لیے بیٹھتے تو ایڈی اپنے ناخنوں سے میل نکال کر پھینکنے لگتا۔ ایک بار اس نے دیکھا کہ اس کا اس باپ اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔

''اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے آج خوب محنت کی ہے۔'' وہ کہتا اور ساتھ ہی اسے اپنے گندے ناخن بھی دکھاتا۔ اس کے بعد وہ انہی گندے ناخنوں والی انگلیوں کے ساتھ بیئر کا گلاس اٹھالیتا۔

اس وقت تک ایڈی جو ایک پکا نوعمر بن چکا تھا، لا پروائی کے ساتھ سر ہلا دیتا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ بتدریج اپنے باپ کا نقش بنتا جا رہا تھا۔ وہ محبت کے الفاظ کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ اس کے اندر خود بخود ہو گیا تھا۔ آپ کو جلد یا بدیر اس کے بارے میں پتہ چلنا ہی ہوتا ہے۔ الفت سے انکار۔ یعنی نقصان جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔

اور پھر ایک رات ان کی بول چال بالکل بند ہو گئی۔ یہ واقعہ جنگ کے بعد ہوا تھا جب ایڈی ہسپتال سے گھر منتقل ہوا تھا اور اس کی ٹانگ کا پلستر اتر چکا تھا اور وہ دوبارہ سے اپنے خاندان کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہو چکا تھا جو بیچ وڈ ایونیو پر واقع تھا۔ اس کا باپ ایک قریبی میخانے میں مے نوشی میں مصروف تھا۔ وہ رات کو دیر سے گھر آیا تو ایڈی کو صوفے پر سوتے ہوئے پایا۔ جنگ کی خوفناکی نے ایڈی کو بالکل بدل دیا تھا۔ وہ اکثر گھر میں رہتا۔ وہ مارگریٹ سے بھی کم کم بولتا۔ وہ کچن کی کھڑکی سے باہر کی جانب گھورتا رہتا اور جھولوں سے لطف اندوز ہوتے بچوں اور ان کے والدین کی مستیوں کو دیکھتے ہوئے اپنے متاثرہ گھٹنے کو کھجاتا رہتا۔ اس کی ماں اکثر کہتی ہے کہ اسے ابھی آرام کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے باپ کی ناراضگی دن بدن بڑھ رہی تھی۔ اسے ڈپریشن کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ اس کے

لیے یہ ایک کمزوری تھی۔

''اٹھو یہاں سے۔'' ایک بار وہ چلا اٹھا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ ''جاؤ کوئی کام دھندا کرو۔''

ایڈی احتجاجی انداز میں اسے دیکھنے لگا تو اس کا باپ پھر چلایا۔

''میں کہتا ہوں، اٹھو یہاں سے، اور کوئی کام کرو۔''

بوڑھا آدمی اگرچہ شراب کے نشے میں ڈول رہا تھا لیکن وہ ایڈی کے قریب آیا اور اسے دھکا دیا۔ ''اٹھو یہاں سے، اور کوئی کام کرو۔'' جاؤ اٹھو، کوئی ملازمت کرو۔ کوئی کام ڈھونڈو۔۔۔''

ایڈی اپنی کہنیوں کے بل پر اٹھا۔

''میں کہتا ہوں، اٹھو یہاں سے، اور کوئی کام کرو۔۔۔''

''بس بہت ہو گیا۔'' ایڈی چلا اٹھا۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور اپنے گھٹنے میں ہونے والی درد کو بھول گیا۔ اس نے گھور کر باپ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اس سے چند انچ کے فاصلے پر تھا اور اس کے منہ سے شراب اور سگریٹ کی بو آ رہی تھی۔

بوڑھے آدمی نے ایڈی کی ٹانگ کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز دھیمی غراہٹ میں بدل گئی۔

''دیکھا تم نے۔۔۔ تم اتنے بھی زخمی نہیں۔''

اس نے پیچھے ہٹ کر اسے گھونسہ مارنے کی کوشش کی لیکن ایڈی سرعت کے ساتھ ایک طرف ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بوڑھے آدمی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ایڈی نے باپ کے سامنے اپنا دفاع کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ خود کو اپنے باپ کی مار پیٹ کا حقدار سمجھتا تھا۔ اس کے باپ نے اپنی بند مٹھی کی طرف دیکھا جو مکے کی شکل میں اٹھی ہوئی تھی، اس کی ناک سے سانس دھونکنی کی طرح خارج ہو رہا تھا، چہرہ دانت پیستا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ایڈی کی جانب ان نظروں سے گھورا جیسے کوئی شخص چھوٹتی ہوئی ٹرین کو دیکھتا ہے۔

اس کے بعد وہ اپنے بیٹے سے کبھی نہ بولا۔

یہ ایڈی کی شخصیت کے شیشے پر آخری نقش تھا۔ یعنی خاموشی۔ یہ نقش اس کے آئندہ کے سالوں پر بھی حاوی رہے۔ ایڈی جب اپنے زاتی اپارٹمنٹ میں منتقل ہوا تو اس کا باپ خاموش تھا۔ ایڈی نے ٹیکسی چلانے کی نوکری کی تو اس کا باپ خاموش تھا۔ وہ ایڈی کی شادی پر خاموش تھا۔ ایڈی گھر پر ماں

کو ملنے آیا تو تب بھی باپ خاموش رہا۔خاوند کے رویے کو دیکھ کر اس کی ماں رو پڑی اور اس کی منت سماجت کرنے لگی کہ وہ اب اپنی ناراضگی ختم کرے لیکن اس کا باپ سختی سے جبڑے دبائے، اسے اور ان تمام لوگوں کو جو اس سے یہ بات کرتے تھے، بس ایک ہی جواب دیتا۔''اس لڑکے نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔''وہ اس کے علاوہ کوئی بات نہ کرتا۔

تمام والدین اپنے بچوں کو بگاڑتے ہیں۔ان کی زندگی بھی ایسے ہی تھی۔نظرانداز کرنا، تشدد، خاموشی۔اور موت کے بعد کی دنیا میں ایڈی سٹین لیس سٹیل سے بنے ایک دروازے کے ساتھ لگا کھڑا تھا اور یہی سوچ رہا تھا، وہ آدمی جس کی محبت اور توجہ کے لیے وہ زندگی بھر ترستا رہا تھا، وہ شخص جنت میں بھی اس پر توجہ نہیں دے رہا تھا اور اس کی تمام صداؤں پر خاموشی اختیار ہوئے تھا۔ یہ اس کا باپ تھا۔یعنی نقصان ہو چکا تھا۔

''ناراض مت ہونا۔''اسے ایک خاتون کی آواز سنائی دی۔''وہ تمہاری آواز نہیں سن سکتا۔''

ایڈی نے ایک جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا۔اس کے سامنے ایک بوڑھی عورت برف میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ بھر بھرا اور گال لٹکے ہوئے تھے جبکہ اس نے گلابی رنگ کی لپ سٹک لگا رکھی تھی۔اس نے اپنے سفید بالوں کو کس کر پیچھے کی طرف باندھ رکھا تھا اور یہ بال اس قدر باریک اور کم تھے کہ نیچے سے اس کی گلابی رنگ کی کھوپڑی کی جلد دکھائی دے رہی تھی۔اس نے اپنی نیلی آنکھوں پر ڈوری والا چشمہ لگا رکھا تھا۔

ایڈی اسے پہچاننے سے قاصر تھا۔اس کا لباس پرانے وقت کا اور ریشم اور شیفون سے بنا ہوا تھا۔جس کے گلے میں بب جیسا ٹکڑا لگا ہوا تھا جس کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے موتی جڑے ہوئے تھے جبکہ گردن کے عین نیچے اس ٹکڑے کے اوپر رویلوٹ کی بو لگی ہوئی تھی۔وہ باوقار انداز میں کھڑی تھی اور اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک پیراسول پکڑ رکھا تھا۔ایڈی نے اندازہ لگایا کہ وہ خاصی امیر ہوگی۔

''میں ہمیشہ سے امیر نہیں تھی۔''اس نے مسکراتے ہوئے یوں کہا کہ جیسے اس نے ایڈی کی سوچ کو پڑھ لیا ہو۔''میں تمہاری طرح ہی ایک غریب خاندان میں پلی بڑھی۔ہم شہر کے ایک پسماندہ

علاقے میں رہتے تھے۔ میں جب چودہ سال کی ہوئی تو مجھے سکول چھوڑنا اور کام کرنا پڑا۔ میری بہنیں بھی کام کرتی تھیں۔ ہم جو بھی کماتے، اپنے والدین کے حوالے کر دیتے اور۔۔۔''

ایڈی نے مداخلت کی۔ وہ ایک اور کہانی سننا نہیں چاہتا تھا۔

''میرے باپ کو میری آواز کیوں سنائی نہیں دے رہی؟'' اس نے پوچھا۔

وہ مسکرائی۔ ''کیونکہ اس کی روح، جو بالکل محفوظ و مامون ہے، میرے معاملے کا حصہ ہے۔ وہ درحقیقت یہاں پر موجود نہیں۔ یہاں صرف تم موجود ہو۔''

''میرا باپ تمہارے معاملے سے متعلق کیوں ہے؟'' ایڈی نے پوچھا۔

بوڑھی خاتون نے توقف کیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔۔۔'' وہ بولی۔

اگلے ہی لمحے وہ پہاڑی کے نیچے تھے۔ اس ضیافت سے اٹھنے والی روشنی اب محض ایک نقطے کی طرح دکھائی دے رہی تھی جیسے آسمان پر کوئی ننھا سا ستارہ ٹمٹماتا ہو۔

''بہت خوبصورت۔۔۔ ہے کہ نہیں؟'' بوڑھی خاتون نے کہا۔ ایڈی نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ اسے اس کے چہرے سے کچھ محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے اسے یا اس کی تصویر کو کہیں دیکھا تھا۔

''کیا تم وہ تیسرا فرد ہو جس سے مجھے یہاں ملنا ہے؟'' ایڈی نے پوچھا۔

''بس یہی سمجھ لو۔'' اس نے جواب دیا۔

ایڈی نے اپنا سر کھجایا۔ آخر یہ عورت کون ہے؟ کم از کم نیلے آدمی یا کم از کم کیپٹن کے بارے میں وہ کچھ تو جانتا تھا اور دنیا میں اس کا ان سے کوئی تعلق بھی رہا تھا۔ پھر اس اجنبی عورت سے ملاقات کا کیا مطلب؟ ایڈی نے کبھی سنا تھا کہ موت کا مطلب ان لوگوں سے ملاقات ہے جو آپ سے پہلے دنیا سے کوچ کر چکے ہوتے ہیں۔ اس نے تدفین کی کئی رسومات میں شرکت کی تھی اور سیاہ سوٹ اور اسی رنگ کے جوتے پالش سے چمکا کر پہنے تھے اور قبرستان میں کھڑے ہو کر دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح یہ سوچا تھا کہ ''آخر لوگ کیوں چلے جاتے ہیں؟ اور ہم کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں؟ اس کی ماں، اس کا باپ، اس کا بھائی، اس کی خالائیں، پھوپھیاں، چچا، ماموں اور اس کا دوست نوئل، اور مارگریٹ، یہ

سب لوگ کیوں چلے گئے؟ تدفین پر پادری کہتا: ''ایک روز ہم سب آسمانی سلامت میں دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے۔''

اگر یہ جنت تھی تو وہ سب کہاں تھے؟ ایڈی نے غور سے اس بوڑھی عورت کو دیکھا۔ وہ خود کو اب پہلے سے زیادہ تنہا محسوس کر رہا تھا۔

''کیا میں زمین کو دیکھ سکتا ہوں؟'' اس نے سرگوشی کی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا میں خدا سے بات کر سکتا ہوں؟''

''یہ تم ہر وقت کر سکتے ہو۔''

وہ اگلا سوال پوچھنے سے ہچکچایا۔

''کیا میں واپس جا سکتا ہوں؟''

''واپس؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں واپس،'' ایڈی نے کہا۔ ''واپس اپنی زندگی میں۔ اس آخری روز میں۔ کیا میں کچھ کر سکتا ہوں؟ کیا میں یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ اب میں اچھے کام کروں گا؟ چرچ جایا کروں گا اور باقاعدگی سے جاؤں گا۔''

''کیوں؟'' اس نے دلچسپی لی۔

''کیوں؟'' ایڈی نے دہرایا۔ اس نے برف کو ایک طرف ہٹایا جو ٹھنڈی نہیں تھی۔ اس نے اسے ہاتھ لگایا تو اس میں کوئی نمی بھی نہ تھی۔

''کیوں؟ اس لیے یہ جگہ میری سمجھ سے ماورا ہے۔ مجھے یہاں پر کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔ مجھے یہاں پر فرشتے اور دوسری مخلوقات بھی دکھائی نہیں دے رہیں۔ مجھے اپنی موت کے بارے میں بھی کچھ یاد نہیں۔ مجھے وہ حادثہ بھی یاد نہیں آ رہا جس کے نتیجے میں میری موت واقع ہوئی تھی۔ مجھے صرف وہ دو ننھے ہاتھ یاد ہیں، اس لڑکی کے ننھے ہاتھ جسے وہ بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اسے وہاں سے کھینچ رہا تھا اور یقیناً اس نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے ہوں گے اور عین اسی وقت۔۔۔''

اس نے شانے اچکائے۔

''تم مر گئے؟'' بوڑھی خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''انتقال کر گئے؟ وفات پا گئے؟ اپنے

خالق حقیقی سے جا ملے؟''

''مر گیا؟'' اس نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اور مجھے بس یہی یاد ہے۔ پھر تم اور وہ تمام لوگ جو مر چکے ہیں، کیا تم لوگوں کو مرتے ہوئے سکون اور اطمینان حاصل نہ تھا۔''

''تم سکون میں ہو۔'' بوڑھی خاتون نے کہا۔ ''جب تم نے وفات پائی تو تم سکون میں ہی تھے۔''

''نہیں۔'' ایڈی نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے سوچا کہ اسے بتائے کہ جنگ کے بعد سے وہ کس قدر تلخ اور ناراضگی سے بھرپور زندگی گذار چکا تھا۔ اسے ڈراؤنے خواب آتے تھے۔ وہ زیادہ تر باتوں پر خوش ہونا بھول گیا تھا۔ وہ جب کبھی گودی پر جاتا اور جال میں پھنسی مچھلیوں کو تڑپتا اور پھڑکتا دیکھتا تو اسے محسوس ہوتا جیسے وہ بھی ان مچھلیوں میں شامل ہے۔ بے بس اور لاچار، اور فرار سے قاصر۔

لیکن اس نے اسے کچھ نہ بتایا، بلکہ الٹا یہ کہا۔ ''خاتون بُرا مت ماننا، لیکن میں تمہیں نہیں جانتا۔۔۔''

''لیکن میں تمہیں جانتی ہوں۔'' وہ بولی۔

ایڈی نے ایک آہ بھری۔

''اوہ، لیکن وہ کیسے؟''

''اچھا۔'' وہ بولی۔ ''اگر تمہارے پاس کچھ وقت ہو۔''

پھر وہ بوڑھی خاتون بیٹھ گئی، حالانکہ وہاں بیٹھنے کی کوئی شے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بس ہوا میں ہی بیٹھ گئی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ لی جیسے کہ عورتیں بیٹھتی ہیں، کمر سیدھی رکھتے ہوئے۔ اس کا لمبا سکرٹ اس کے جسم کے ساتھ لپٹ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا لہرایا اور ایڈی کو اس کے پرفیوم کی مسحور کن خوشبو اپنے نتھنوں میں محسوس ہوئی۔

''جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا تھا، میں ایک کام کرنے والی لڑکی تھی۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ میں اس جگہ پر لوگوں کو کھانا سرو کرتی تھی جسے ''سی شور گرلز'' کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ ساحل کے قریب تھی جہاں تم پلے بڑھے۔ شاید تمہیں کچھ یاد ہو؟''

اس نے ضیافت کی جانب اشارہ کیا اور ایڈی کو سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ اس جگہ کو جانتا تھا۔ وہ وہاں پر اکثر ناشتہ کرتا تھا۔ وہ اسے چکنا چمچ کہتے تھے اور اسے سالوں پہلے ختم کر دیا گیا تھا۔

''تم؟'' ایڈی نے تقریباً ہنستے ہوئے کہا۔ ''تم وہاں پر ویٹرس تھیں؟''

''بالکل۔'' اس نے فخر سے کہا۔ ''میں وہاں گودی پر کام کرنیوالوں کو کافی اور دیگر ملاحوں اور ملازمین کو کھانا وغیرہ فراہم کرتی تھی۔ میں اس زمانے میں کافی حسین ہوا کرتی تھی۔ میں نے اپنے لیے آنے والے کئی رشتے ٹھکرائے۔ میری بہنیں مجھے ڈانٹتیں اور کہتیں، ''تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو جو ہر رشتہ ٹھکرائے چلی جا رہی ہو؟ وہ کہتیں، کوئی شوہر تلاش کرو اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔''

''پھر ایک صبح ایک انتہائی دلکش اور شاندار آدمی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ میں نے اس سے زیادہ دلکش مرد کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے چاک پٹیوں والا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر ڈربی ہیٹ تھا۔ اس کے گہرے سیاہ بال اچھی طرح ترشے ہوئے اور کنگھی شدہ تھے جبکہ اس کی مونچھوں کے نیچے ایک مسلسل مسکراتا چہرہ تھا۔ میں نے جب اسے کھانا پیش کیا تو اس نے سر ہلایا۔ میں نے کوشش کی کہ اس کی جانب نہ دیکھوں۔ لیکن جب اس نے اپنے دوستوں سے بات کی تو مجھے اس کی بھاری آواز اور پراعتماد قہقہہ سنائی دیا۔ میں نے دو مرتبہ اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ اس نے جب بل ادا کیا تو کہنے لگا کہ اس کا نام ایمائل ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا وہ مجھے کال کر سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھے پتہ چل گیا کہ اب مجھے اپنی بہنوں سے جلی کٹی نہیں سننا پڑیں گی۔''

''ہماری کورٹ شپ بہت خوشگوار تھی کیونکہ ایمائل ایک سچا اور کھرا آدمی تھا۔ وہ مجھے ان جگہوں پر لے کر گیا جہاں میں کبھی نہیں گئی تھی۔ اس نے مجھے ایسے لباس لے کر دیے جن کا میں نے کبھی تصور نہ کیا تھا۔ اس نے مجھے ایسے کھانے کھلائے جنہیں میں نے اپنی غربت کی زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔ ایمائل نے لمبر اور سٹیل میں سرمایہ کاری کے ذریعے بہت جلد دولت کمائی۔ وہ بہت شاہ خرچ اور خطرات مول لینے والا تھا۔ اسے جب بھی کوئی نیا آئیڈیا ملتا تو وہ بھرپور طریقے سے اس سے فائدہ اٹھاتا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھ جیسی غریب لڑکی کی جانب بھی اسی لیے راغب ہوا ہوگا۔ وہ ان لوگوں سے گھن کھاتا تھا جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتے تھے اور ایسے کام کرتا تھا جو عام طور پر دولت منداور رئیس لوگ نہیں کرتے۔''

''ان میں ایک کام ساحلی تفریح گاہوں کی تواتر سے سیر تھی۔ وہ دلچسپ چیزوں، نمکین کھانوں، خانہ بدوشوں، قسمت کا حال بتانے والوں اور غوطہ خور لڑکیوں سے پیار کرتا تھا۔ اور ہم دونوں ہی سمندر سے پیار کرتے تھے۔ ایک روز جب ہم ریت میں بیٹھے تھے اور سمندر کی لہریں نرمی سے ہماری پاؤں کو

چھوڑ ہی تھیں تو اس نے شادی کے لیے مجھ سے ہاتھ مانگ لیا۔''

''میں جھوم اٹھی۔ میں نے اسے ہاں کہا اور ہمیں سمندر میں کھیلتے بچوں کی آواز سنائی دی۔ ایمائل ایک قدم اور آگے بڑھا اور مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد سمندر کنارے میرے لیے عالیشان تفریح گاہ تعمیر کرے گا۔ اس نے کہا کہ وہ ایسا کر کے لمحہ موجود کی خوشی اور مسرت کو دائمی طور پر یادگار بنا دے گا۔''

بوڑھی خاتون مسکرائی۔ ''ایمائل نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ چند سال بعد اس نے ایک ریل روڈ کمپنی سے معاہدہ کیا جو کہ ویک اینڈ پر اپنے مسافروں سے حاصل ہونے والے منافع کو بڑھانے کے لیے کوئی طریقہ ڈھونڈ رہی تھی۔ تم جانتے ہو کہ زیادہ تر تفریحی پارک ایسے ہی تعمیر ہوتے ہیں۔''

ایڈی نے سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا حالانکہ زیادہ تر لوگ نہیں جانتے۔ زیادہ تر لوگ سمجھتے تھے کہ تفریحی پارک شاید چھلاوے تیار کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ بھی ایک کاروبار تھا جس سے ریل روڈ کمپنیاں فائدہ اٹھاتی تھیں اور ان پارکوں کو آخری سٹاپوں پر تعمیر کیا جاتا تھا تاکہ مسافر ویک اینڈ پر ریل کے ذریعے وہاں آئیں اور کمپنی رقم کمائے۔ ''تم جانتے ہو کہ میں کہاں کام کرتا ہوں؟'' ایڈی اکثر کہا کرتا، ''لائن کے آخری سرے پر، میں وہاں ہی کام کرتا ہوں۔''

''ایمائل نے۔۔۔'' بوڑھی خاتون نے بات جاری رکھی۔ ''بہت شاندار تفریح گاہ تیار کی۔ اس نے لکڑی اور فولاد، جس کا وہ پہلے ہی کاروبار کرتا تھا، کے ذریعے ایک شاندار پارک تعمیر کیا۔ پھر وہاں دلچسپ اور مزیدار چیزوں کی آمد کا سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔ ریس، جھولے، کشتی کی سیر اور چھوٹی چھوٹی ریلیں۔ وہاں پر بہت سے جھولے فرانس اور بہت سے جرمنی سے منگوائے گئے۔ وہاں پر بلند و بالا مینار اور محرابیں تعمیر کی گئیں اور ان کو ہزاروں قمقموں سے سجایا گیا اور یہ قمقمے اس قدر روشن ہوتے کہ آپ سمندر میں بہت دور سے پارک کو دیکھ سکتے تھے۔''

''ایمائل نے ہزاروں کی تعداد میں ورکروں کی خدمات حاصل کیں۔ ان میں میونسپل ورکر، کارنیوال ورکر اور غیر ملکی کارکن سب شامل تھے۔ اس نے وہاں پر بازیگر، جانور اور جوکر منگوائے۔ پارک کے داخلی دروازے کو سب سے آخر میں تعمیر کیا گیا اور یہ بہت عالیشان تھی۔ سب یہی کہتے تھے۔ جب یہ داخلی دروازہ تعمیر ہوا تو وہ میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے وہاں لے گیا۔ میں نے جب پٹی اتاری تو میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔''

بوڑھی خاتون ایڈی سے چند قدم دور ہٹ گئی۔ وہ تجسس کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی جیسے اسے مایوسی ہو رہی ہو۔

''داخلی دروازہ؟'' وہ بولی۔ ''تمہیں کچھ یاد نہیں آیا؟ تم نے کبھی اس نام کے بارے میں نہیں سوچا، جہاں تم کام کرتے تھے؟ جہاں تمہارا باپ کام کرتا تھا؟''

اس نے سفید دستانے والے ہاتھ کی انگلی سے اپنے سینے کو چھوا اور یوں بولی جیسے باقاعدہ اپنا تعارف کرا رہی ہو۔

''میں رُوبی ہوں۔'' اس نے بتایا۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

وہ اب 33 برس کا ہے۔وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھتا ہے اور لمبے لمبے سانس لیتا ہے۔اس کے گھنے سیاہ بال پسینے سے چپکے ہوئے ہیں۔اس نے اندھیرے میں پلکیں جھپکائیں۔وہ جلدی سے اپنے بازو، ٹانگوں اور جسم کے دوسرے حصوں کو محسوس کرتا ہے اور بستر کو چھوکر دیکھتا ہے تاکہ یقین کر سکے کہ وہ بیکری کے اوپر واقع اپنے گھر میں ہی ہے۔جنگ کے میدان میں نہیں۔آگ میں نہیں۔پھر خواب۔ آخر یہ ڈراؤنے خواب کب پیچھا چھوڑیں گے؟

ابھی صبح کے صرف چار بجے ہیں۔اب سونے کا وقت نہیں۔وہ کچھ دیر اپنی سانسیں بحال کرتا ہے اور پھر دھیرے سے بستر سے اٹھتا ہے تاکہ اس کی بیوی نہ جاگے۔وہ پہلے اپنی دائیں ٹانگ زمین پر رکھتا ہے جو کہ اس کی عادت بن چکی ہے تاکہ بائیں ٹانگ پر زیادہ زور نہ پڑے۔ایڈی روزانہ صبح ایسے ہی کرتا ہے۔پہلے ایک قدم اور دھیرے سے دوسرا قدم۔

غسل خانے میں وہ اپنی سرخ آنکھیں دیکھتا ہے اور چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے۔اسے ہمیشہ ایک ہی خواب دکھائی دیتا ہے۔وہ جنگ کے آخری روز فلپائن میں لڑ رہا ہے اور شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔گاؤں کے جھونپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے اور ایک مسلسل اور زبردست شور ہے۔اچانک کوئی شے اس کی ٹانگ سے ٹکراتی ہے۔وہ اسے جھٹکے سے دور کر دیتا ہے۔پھر دوبارہ کوئی چیز ٹکراتی ہے اور وہ پھر اسے دور کر دیتا ہے۔شعلے بہت تیزی سے بھڑک رہے ہیں اور ان کی آواز اس طرح ہے جیسے کسی دیوقامت جہاز کا انجن چل رہا ہو اور پھر سمیٹی نمودار ہوتا ہے جو ’’ایڈی۔۔۔ایڈی، اب واپس آجاؤ‘‘ چلا رہا ہے۔ایڈی بولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن شور میں اس کے حلق سے نکلنے والی آواز بہت مدھم ہوتی ہے۔پھر کوئی چیز اس کی ٹانگ پکڑ لیتی ہے اور مٹی میں اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

اور پھر اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔وہ پسینے سے شرابور ہے۔اس کا بدن کانپ رہا ہے۔ہمیشہ ایسا

ہی ہوتا ہے۔اس میں بدترین بات یہ نہیں کہ اسے نیند نہیں آتی۔بدترین بات اس خواب کی وہ عمومی تاریکی ہے جو اس کے وجود پر طاری ہو جاتی ہے۔ایک نیم سیاہ فلم جو اس دن پر چھا جاتی ہے۔حتیٰ کہ یہ اس کے ان لمحوں پر بھی طاری ہو جاتی ہے جب وہ خوش ہوتا ہے جیسے برف کی ایک سخت چادر کے اندر سوراخ ہو جاتا ہے۔

وہ خاموشی سے کپڑے بدلتا ہے اور سیڑھیوں سے نیچے اترتا ہے۔ٹیکسی اپنی معمول کی جگہ پر کونے میں کھڑی ہے اور ایڈی اس کی ونڈ سکرین سے نمی کو صاف کرتا ہے جو کہ شبنم کے باعث ہے۔وہ اس تاریکی کے بارے میں کبھی مارگریٹ سے بات نہیں کرتا۔وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہے اور پوچھتی ہے۔"کیا ہوا ہنی؟" وہ جواب دیتا ہے،"کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔بس یونہی آنکھ کھل گئی۔" آخر وہ یہ باتیں بتا کر اپنی بیوی کو کیوں پریشان کرے جو اچھے خاصے موڈ میں ہے۔سچ تو یہ ہے کہ وہ خود کو بھی اس کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا۔وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ کوئی چیز اس کے سامنے آجاتی ہے۔حتیٰ کہ وہ بہت سی چیزوں کو ترک کر دیتا ہے۔وہ انجینئرنگ کے لیے اپنی سٹڈی کو ترک کر دیتا ہے۔وہ سفر کے خیال کو ترک کر دیتا ہے۔وہ ایک جگہ پر رک جاتا ہے اور وہیں پر ٹھہرا رہتا ہے۔

اس رات جب ایڈی کام سے لوٹتا ہے اور اپنی ٹیکسی کو ایک کونے میں کھڑی کرتا ہے۔پھر وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتا ہے۔اس کے اپارٹمنٹ سے موسیقی کی آواز سنائی دیتی ہے، وہی ایک مانوس موسیقی اور گیت۔

تم نے مجھے عاشق بنایا
میں تو عاشق بننا نہیں چاہتا تھا
میں تو عاشق بننا نہیں چاہتا تھا

وہ دروازہ کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ سامنے میز پر کیک رکھا ہے اور ساتھ ایک سفید ڈبہ ہے جس پر ربن بندھا ہے۔

"ہنی؟" مارگریٹ چلاتی ہے۔"یہ تم ہوناں۔"

وہ سفید ڈبہ اٹھاتا ہے۔اس میں پارک کے مزے دار پراٹھے ہیں۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔۔" مارگریٹ کرسی سے اٹھتے ہوئے اپنی مدھر آواز میں گانے لگتی ہے۔وہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہی ہے اور اس نے وہ پھولدار لباس پہن رکھا ہے جو ایڈی کو پسند

ہے۔اس کے بال بنے ہوئے اور چہرے پر ہلکا میک اپ ہے۔ایڈی اس سے گریز کرتا ہے جیسے وہ اس کا حقدار نہ ہو۔وہ اپنے اندر ایک تاریکی محسوس کرتا ہے۔

''مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' وہ زور سے کہتا ہے۔''مجھے ایسے ہی رہنے دو۔''

مارگریٹ گیت ختم کرتی ہے اور اس کے ہونٹوں پر بوسہ دیتی ہے۔

''اچھا، مجھ سے پرانڈوں کے لیے لڑو گے؟'' وہ سرگوشی کرتی ہے۔

وہ اسے چومنے کے لیے آگے بڑھتا ہے کہ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔

''ایڈی کیا تم گھر میں ہو؟ ایڈی۔۔۔''

یہ بیکری والا مسٹر ناتھن سن ہے جو سٹور کے پیچھے نچلے اپارٹمنٹ میں رہتا ہے۔اس کے ہاتھ میں ٹیلی فون ہے۔ایڈی دروازہ کھولتا ہے تو اسے سامنے پاتا ہے۔اس نے نہانے کا لباس پہنا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر تشویش ہے۔

''ایڈی۔۔۔''، وہ کہتا ہے۔''نیچے آؤ، کوئی فون آیا ہے۔شاید تمہارے والد کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔''

رُوبی کی کہانی

"میں رُوبی ہوں۔"

اچانک ایڈی کو سب کچھ سمجھ آجاتا ہے۔ وہ عورت اتنی مانوس کیوں دکھائی دے رہی تھی۔ اسے یاد آتا ہے کہ اس نے مرمتی دکان میں کہیں اس کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ وہ تصویر پرانے میورلز اور پارک کی گذشتہ ملکیت کے کاغذات میں کہیں پڑی تھی۔

"پرانا داخلی دروازہ۔۔۔" ایڈی نے کہا۔

اس نے اطمینان کے ساتھ سر ہلایا۔ رُوبی پارک کا پرانا دروازہ ایک قسم کا لینڈ مارک تھا۔ یہ بہت شاندار تھا اور عظیم الشان تھا اور کسی تاریخی فرانسیسی مندر کی طرز پر بنایا گیا تھا۔ اس میں نقش ونگار سے معمور ستون اور اوپر ایک گنبد تھا۔ اس گنبد کے عین نیچے جہاں سے تمام نمونے نکلتے تھے، ایک خوبصورت عورت کا چہرہ پینٹ کیا گیا تھا۔ یہ عورت روبی تھی۔

"لیکن یہ جگہ تو بہت پہلے تباہ ہوگئی تھی۔" ایڈی نے کہا۔ "وہاں بہت بڑی۔۔۔"

"آگ لگی تھی۔" خاتون نے جملہ مکمل کیا۔ "ہاں، وہاں بہت بڑی آگ لگی تھی۔" اس نے اپنی ٹھوری جھکالی اور اس کی آنکھیں چشمے کے پیچھے سے نیچے کی طرف یوں دیکھنے لگیں جیسے وہ اپنی گود میں دھری کوئی شے پڑھ رہی ہو۔

"یہ یوم آزادی تھا۔ چار جولائی۔ اس روز تعطیل تھی اور ایمائل تعطیلات کو بہت پسند کرتا تھا۔ یہ کاروبار کے لیے اچھی ہوتی تھیں۔ اگر یوم آزادی پر اچھی آمدنی ہوتی تو گرمیوں کا سارا موسم اچھا گذرتا۔ کئی مہینوں کے پیسے نکل آتے۔ چنانچہ ایمائل نے آتشبازی کا انتظام کیا۔ وہ ایک پریڈ بینڈ بھی لایا۔ اس نے اس روز کے لیے، بہت سے اضافی ورکر بھی منگوائے۔"

"لیکن جس روز جشن ہونا تھا، اس سے ایک رات پہلے حادثہ ہوگیا۔ اس روز بہت گرمی تھی اور

سورج ڈوبنے کے باوجود گرمی برقرار تھی۔ کچھ ورکروں نے شیڈ سے باہر سونے کا پروگرام بنایا۔ انہوں نے کھانا پکانے کے لیے اپنے چولہے جلائے۔''

''اس رات جب سب لوگ کھانے پینے میں مشغول تھے۔ کچھ ورکروں نے چھوٹی نوعیت کی آتش بازی لی اور اسے جلایا۔ تاہم تیز ہوا کے باعث کچھ آتشبازی اور انار وغیرہ ادھر ادھر اڑنے لگے۔ اس زمانے میں سب کچھ لیتھ اور ٹار۔۔۔''

اس نے اپنا سر ہلایا۔''اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حادثہ ہو گیا۔ آگ پھیل گئی اور اس وسطی حصے، کھانوں کے سٹال اور جانوروں کے پنجروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کارکن وہاں سے بھاگ گئے۔ کوئی دوڑتا ہوا ہمارے گھر آیا اور ہمیں جگایا۔ لیکن تب تک روبی پارک دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ ہم نے اپنی کھڑکی سے دیکھا تو ہر جانب آگ کے سرخ اور پیلے شعلے دکھائی دیے۔ ہمیں گھوڑوں کے ہنہنانے اور فائر بریگیڈ کے انجنوں کی آواز سنائی دی۔ لوگ ہر جانب جمع تھے۔''

''میں نے ایمائل کو بہت منع کیا کہ وہ وہاں نہ جائے لیکن بے سود۔ لیکن اسے تو جانا تھا۔ وہ آگ کی جانب بھاگا اور اپنے سالوں کی محنت کو بچانے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت غصے اور خوف سے اندھا ہو گیا جب اس نے داخلی راستے کو آگ لگتے دیکھی جس پر میری تصویر بنی اور نام لکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بھول گیا۔ وہ آگ پر پانی کی بالٹیاں پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا جب ایک ستون اس پر آن گرا۔''

اس نے اپنی دو انگلیاں جوڑیں اور انہیں ہونٹوں پر رکھا۔''صرف ایک رات میں ہماری زندگیاں بدل کر رہ گئیں۔ وہ تو ویسے ہی خطرات مول لینے والا تھا۔ چنانچہ اس نے پارک کی بہت چھوٹی انشورنس کرائی تھی۔ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھا۔ اس نے مجھے جو تحفہ دیا تھا، وہ خاک میں مل چکا تھا۔''

''مایوسی کے عالم میں اس نے پارک کی زمین پنسلوینیا کے ایک بزنس مین کو فروخت کر دی اور وہ بھی بہت کم داموں میں۔ اس بزنس مین نے پارک کا نام یعنی''روبی پارک''برقرار رکھا۔ پارک کو مقررہ تاریخ کو دوبارہ کھول دیا گیا لیکن اب یہ ہمارا نہ تھا۔''

''ایمائل اس واقعے کے بعد اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اس کے جسم کی طرح اس کی روح بھی زخمی ہو چکی تھی۔ وہ کہیں تین سال بعد جا کر بولنے کے قابل ہوا۔ ہم شہر سے باہر منتقل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا جس میں ہم بہت سادگی سے رہتے تھے۔ میرا زیادہ وقت اپنے زخمی خاوند کی دیکھ بھال اور ایک چھوٹی سی خواہش کے بارے میں سوچنے میں لگتا۔''

اس نے توقف کیا۔

''کیا خواہش؟'' ایڈی نے پوچھا۔

''کہ کاش اس نے وہ پارک تعمیر نہ کیا ہوتا۔''

بوڑھی خاتون خاموش ہوگئی۔ ایڈی نے وسیع نیلے آسمان کی جانب دیکھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس نے بھی اپنی زندگی میں کتنی مرتبہ یہی خواہش کی تھی۔ یہ کہ جس نے بھی یہ پارک تعمیر کیا تھا، وہ اس پیسے سے کچھ اور کر لیتا۔

''مجھے تمہارے خاوند کے بارے میں سن کر بہت افسوس ہوا۔'' ایڈی نے کہا کیونکہ وہ اس کے علاوہ اور کیا کہتا۔

بوڑھی خاتون مسکرائی۔ ''شکریہ، ڈئیر، لیکن ہم اس آگ کے بعد بہت عرصہ زندہ رہے۔ ہم نے تین بچوں کی پرورش کی۔ ایڈی بیمار تھا اور ہسپتال آتا جاتا رہتا۔ جب میں پچاس کے پیٹے میں تھی تو وہ مجھے بیوہ چھوڑ گیا۔ تم میرا چہرہ، میری جھریاں دیکھ رہے ہو؟'' اس نے اپنے گالوں کو اٹھا کر کہا۔ ''میں نے یہ سب کمایا ہے۔''

ایڈی نے اس کی بات ان سنی کر دی۔ ''مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ کیا ہماری کبھی ملاقات ہوئی؟ کیا تم کبھی پارک میں آئیں؟''

''نہیں۔'' وہ بولی۔ ''میں کبھی دوبارہ پارک میں نہیں گئی۔ میرے بچے اور ان کے بچوں کے بچے وہاں جاتے تھے۔ لیکن میں نہیں۔ میرا جنت کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ سمندر سے ہر ممکن حد تک دور ہوگی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دن بہت سادہ ہوا کرتے تھے اور ایمائل میرے ساتھ کورٹ شپ کر رہا تھا۔''

ایڈی نے سر کھجایا۔ اس نے سانس لی تو دھند اس کے چہرے کے سامنے نمودار ہوئی۔

''لیکن میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟'' اس نے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ تمہاری کہانی، وہ آگ، یہ سب تو میری پیدائش سے بھی پہلے کی بات ہے۔''

''جو چیزیں تمہاری پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہو چکی ہوتی ہیں، وہ بدستور تم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔'' وہ بولی۔ ''اور جو لوگ تم سے پہلے دنیا میں آئے، وہ بھی تم اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم جن نئی نئی اور انوکھی جگہوں پر جاتے ہیں، ان کا وجود ہی نہ ہوتا، اگر ہم سے پہلے کے لوگ ان کو نہ بناتے۔ ہمارے

کام کی جگہیں جہاں ہم بہت سا وقت گزارتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم جب آئے، یہ تب ہی بنی ہوں گی تاہم ایسا نہیں ہوتا۔"

اس نے اپنی انگلیوں کے سرے کو ایک دوسرے سے بجایا۔ "اگر ایمائل نہ ہوتا تو میرا کوئی خاوند نہ ہوتا۔ اگر ہماری شادی نہ ہوتی تو کوئی روبی پارک بھی نہ ہوتا۔ اور اگر کوئی روبی پارک بھی نہ ہوتا تو تم بھی وہاں کام نہ کر رہے ہوتے۔"

ایڈی نے آنکھیں ملیں۔ "تو تم مجھے یہاں میرے کام کے بارے میں کہانی سنانے آئی ہو۔"

"نہیں، ڈیئر۔" روبی نے جواب دیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔ "میں تمہیں یہ بتانے کے لیے آئی ہوں کہ تمہارے باپ کی موت کیسے ہوئی۔"

فون کی گھنٹی بجی۔ یہ ایڈی کی ماں کی طرف سے کال تھی۔ اس کا باپ اس روز گر گیا تھا۔ وہ بورڈ واک کے مشرقی سرے پر جونیئر راکٹ رائیڈ نامی جھولے کے پاس گرا تھا۔ وہ شدید بخار میں پھنک رہا تھا۔

"ایڈی، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس کی ماں بولی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کی ماں نے اسے اس ہفتے کی رات کے بارے میں بتایا جب اس کا باپ صبح فجر کے وقت گھر آیا تھا اور بالکل گیلا ہو رہا تھا۔ اس کے کپڑوں میں ریت بھری ہوئی تھی۔ اس کا ایک جوتا بھی غائب تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاس سے سمندر کی بو آ رہی تھی۔ ایڈی کو یقین تھا کہ شراب کی بو بھی آ رہی ہوگی۔

"اسے شدید کھانسی تھی۔" ماں نے بتایا۔ "کھانسی بہت بگڑ گئی۔ ہمیں اسی وقت کوئی ڈاکٹر بلانا چاہیے تھا۔" وہ اپنے ہی الفاظ میں غرق ہوگئی۔ اس نے بتایا کہ اس روز وہ کام پر گیا تھا۔ وہ اس وقت بھی بیمار تھا۔ اس کے اوزاروں کا تھیلا بیلٹ کے ساتھ بندھا تھا جن میں ہمیشہ کی طرح بال پین ہتھوڑا بھی تھا۔ تاہم اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ بستر میں بھی وہ کراہتا اور تڑپتا رہا اور پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ اگلے روز اس کی حالت اور بھی خراب ہوگئی اور اب اس دوپہر وہ گر گیا تھا۔

"ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ یہ نمونیہ تھا۔ اوہ، مجھے اسی وقت کچھ کرنا چاہیے تھا۔ مجھے اسی وقت کچھ کرنا چاہیے تھا۔۔۔"

"تمہیں آخر کیا کرنا چاہیے تھا۔" ایڈی نے تلخی سے پوچھا۔ اسے غصہ آیا کہ اس کی ماں خوامخواہ

الزام اپنے سر لے رہی تھی۔ یہ تو اس کے شرابی باپ کی اپنی غلطی تھی۔ وہ نشے میں دھت ہوگا۔
اس نے فون پر اس کے رونے کی آواز سنی۔

ایڈی کا باپ اکثر کہا کرتا تھا کہ اس نے اتنے سال سمندر کے کنارے گذارے تھے کہ اب اس کی سانسوں سے بھی سمندر کی بو آتی تھی۔ اب وہ اس سمندر سے دور ایک ہسپتال کے بستر پر محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر اس کے جسم نے بن پانی مچھلی کی طرح تڑپنا شروع کر دیا۔ پیچیدگیاں بڑھتی گئیں اور کا سینہ جکڑ کر رہ گیا۔ اس کی حالت کبھی بہتر ہو جاتی اور کبھی خراب ہو جاتی اور کبھی اچانک بہت اچھی ہو کر بہت بگڑ جاتی۔ اس کے دوست یہی کہتے رہتے کہ وہ ایک روز بعد گھر ہوگا اور پھر وہ کہتے کہ وہ ایک ہفتے بعد گھر میں ہوگا۔ باپ کی غیر موجودگی میں پارک میں اس کا کام ایڈی کے ذمے تھا جہاں وہ ٹیکسی چلانے سے فارغ ہو کر شام کو چلا جاتا اور ٹریکوں پر گریس لگاتا اور جھولوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کی مرمتی دکان میں مرمت کرتا۔

اصل میں وہ اپنے باپ کی ملازمت کو بچا رہا تھا۔ مالکان نے اس کی محنت کو تسلیم کیا لیکن جب معاوضہ دینے کا وقت آیا تو اسے اس کے باپ کے مقابلے میں نصف معاوضہ دیا۔ اس نے وہ رقم اپنی ماں کو دیدی جو روزانہ اس کی دیکھ بھال کے لیے ہسپتال آتی اور اکثر راتوں کو وہیں کہیں سو جاتی۔ ایڈی اور مارگریٹ اس کے اپارٹمنٹ کی صفائی کرتے اور اس کے لیے سودا سلف خرید لاتے۔

ایڈی جب نوعمر لڑکا تھا تو وہ جب بھی پارک کے کام سے اکتا جاتا تو اس کا باپ جھٹ کہتا۔ "کیا؟ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں؟" اور بعد میں جب ایڈی نے اپنی ہائی سکول کی تعلیم مکمل کی تو اس کے باپ نے کہا کہ وہ پارک میں آ کر کام کو سنبھالے تو ایڈی ہنس پڑا جس پر اس کے باپ نے پھر کہا۔ "کیا؟ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں؟" پھر جب اس نے باپ کو کہا کہ وہ مارگریٹ سے شادی کرے گا اور انجینئرنگ پڑھے گا تو اس نے پھر کہا۔ "کیا؟ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں؟"

اور اب وہ اپنی تمام تر ناپسندیدگی کے باوجود پارک میں تھا اور اپنے باپ والا کام کر رہا تھا۔

آخر ایک رات اپنی ماں کے اصرار پر وہ ہسپتال گیا۔ وہ دھیرے سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا باپ جو کئی سالوں سے اس سے ناراض تھا اور اس سے بات کرنے سے بھی انکاری تھا، اس وقت بات کرنے کے قابل نہ تھا۔ اس نے بوجھل آنکھوں کے ساتھ اپنے بیٹے کو دیکھا۔ ایڈی جس کے لیے

ایک جملہ کہنا بھی مشکل ہورہا تھا، اس نے صرف اتنا کیا کہ اپنا ہاتھ باپ کے سامنے کیا اور اسے اپنی انگلیوں کی وہ پوریں دکھائیں جن پر گریس کے نشان مستقل پڑ چکے تھے۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بچے۔'' پارک کے ایک ورکر نے کہا۔ ''تمہارا باپ ٹھیک ہوجائے گا۔ ہم نے اس سے زیادہ مضبوط آدمی کبھی نہیں دیکھا۔''

والدین کم ہی اپنے بچوں کو چھوڑتے ہیں چنانچہ بچے خود ہی انہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ حرکت میں رہتے ہیں۔ دور چلے جاتے ہیں۔ وہ وقت ہوا ہوجاتا ہے جب وہ ہر کام اپنی ماؤں کی مرضی سے کرتے تھے اور باپ کی اجازت طلب کرتے تھے۔ اب وہ اپنی کامیابیوں کا تعین خود کرتے ہیں اور اپنے فیصلے خود کرتے ہیں۔ پھر بہت عرصے بعد جب ان کی جلد بھی ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور دل کمزور ہوجاتے ہیں تو بچے سمجھتے ہیں۔ ان کی کہانیاں اور ان کی تمام کامیابیاں ان کی ماؤں اور باپوں کی کہانیوں پر غالب آجاتی ہیں، بالکل اس طرح جس طرح پانی کے نیچے پتھروں کے اوپر پتھر گرتے رہتے ہیں۔

جب اس کے باپ کی موت کی اطلاع آئی تو ایک نرس نے ایڈی کو پیچھے ہٹنے کے لیے کہا جیسے وہ دودھ لینے کے لیے قطار میں کھڑا ہو۔ ایڈی نے ایک کھوکھلا سا غصہ محسوس کیا، ایک ایسا غصہ جو اس کے وجود کے اندر چکر کاٹ رہا تھا۔ محنت کشوں کے اکثر بچوں کی طرح ایڈی نے اپنے باپ کی ایک ہیرو جیسی موت کا تصور کیا تھا تاکہ اپنی زندگی کی عمومیت کو اس کے ساتھ جوڑ سکے۔ لیکن سمندر کے کنارے شراب کے نشے میں ایک احمقانہ موت میں ہیرو جیسی کوئی بات نہ تھی۔

اگلے روز وہ اپنے والدین کے اپارٹمنٹ میں گیا، ان کے بیڈ روم میں داخل ہوا اور تمام درازوں کو کھول کر دیکھا جیسے اسے اس میں اپنے باپ کے کسی ٹکڑے کی تلاش ہو۔ اس نے مختلف چیزوں میں ہاتھ مارا جن میں سکے، ٹائی پنیں، سیب کی شراب کی ایک چھوٹی بوتل، ربر بینڈز، بجلی کے بل، قلم اور ایک سگریٹ لائٹر شامل تھا جس کے ایک سائیڈ پر جل پری بنی ہوئی تھی۔ آخر اسے کارڈز کی ایک گڈی مل گئی۔ اس نے انہیں جیب میں ڈال لیا۔

تدفین مختصر اور چھوٹی تھی۔ اگلے کئی ہفتوں تک اس کی ماں عجیب وغریب کیفیت میں رہی۔ وہ اپنے خاوند سے یوں باتیں کرتی جیسے وہ بدستور موجود ہو۔ وہ چلا کر اسے ریڈیو بند کرنے کو کہتی۔ وہ اپنے علاوہ اس کے لیے بھی کھانا تیار کرتی۔ وہ بستر کے سرہانے پر بدستور دو تکیے رکھتی حالانکہ سوتی وہ ایک

تکیے پر تھی۔

ایک رات ایڈی نے دیکھا کہ وہ کارنس کے اوپر پلیٹیں لگا رہی تھی۔

''میں کچھ مدد کروں۔'' ایڈی نے پوچھا۔

''نہیں، نہیں، تمہارا باپ ناراض ہوگا، وہ چاہتا ہے کہ میں ہر کام اپنے ہاتھوں سے کروں۔''

ایڈی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''ماں۔'' وہ کہنے لگا۔ ''ڈیڈی جا چکے ہیں۔''

''کہاں جا چکے ہیں؟''

اگلے روز ایڈی ڈسپیچر کے پاس گیا اور اسے کہا کہ وہ ٹیکسی چلانے کا کام چھوڑ رہا ہے۔ دو ہفتوں بعد ایڈی اور مارگریٹ واپس اس عمارت میں منتقل ہو گئے جہاں ایڈی پلا بڑھا تھا۔۔۔ یعنی بیچ وڈ ایونیو، اپارٹمنٹ نمبر چھ بی۔۔۔ جہاں برآمدے تنگ تھے اور کچن کی کھڑکی سے گھوڑوں والے گول جھول کو دیکھا جا سکتا تھا جہاں ایڈی نے ملازمت قبول کی تھی کہ جہاں سے وہ اپنی ماں پر نظر رکھ سکتا تھا اور جو ایک ایسی جاب تھی جہاں ایڈی نے گرمیوں کے بہت سے سال کام کرتے ہوئے گذارے تھے۔ یعنی روبی پارک میں مرمت اور دیکھ بھال وغیرہ کا کام۔ ایڈی نے اگرچہ اس بارے میں کوئی بات نہ کی، نہ اپنی بیوی نہ ماں سے اور نہ ہی کسی اور سے، لیکن وہ اپنے باپ کو کوستا رہا کہ وہ خود تو مر گیا لیکن اسے ایک ایسی نوکری میں پھنسا گیا جس سے وہ ہمیشہ جان چھڑانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے قبر میں لیٹا اس کا باپ اس پر ہنس رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کے لیے یہ کافی ہے۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

وہ اب 37 سال کا ہے۔اس کا ناشتہ اس کے سامنے پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

''یہاں نمک ہے؟'' وہ نوئل سے پوچھتا ہے۔

نوئل جو اس وقت منہ بھر کر کچھ کھا رہا ہے، بوتھ کے پیچھے سے نکلتا ہے، ایک ٹیبل کے نیچے جھکتا ہے اور نمک دانی پکڑتا ہے۔

''یہ لو۔'' وہ بڑبڑاتا ہے۔ ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔۔''

ایڈی نمک دانی کو زور سے ہلاتا ہے۔ ''نمک کو میز پر رکھنا کیا کوئی مشکل کام ہے۔''

''تم کیا منیجر ہو؟'' نوئل کہتا ہے۔

ایڈی شانے اچکاتا ہے۔ صبح بہت گرمی ہے اور ہوا میں شدید نمی کے باعث یہ اور بھی گہری ہو چکی ہے۔ یہ ان کا معمول ہے کہ وہ ہفتے میں ایک روز یعنی ہفتے کے دن ناشتہ وہاں پر ہی کرتے ہیں کیونکہ اس روز پارک میں بہت رش پڑنا ہوتا ہے۔ نوئل ڈرائی کلیننگ کی دکان چلاتا ہے۔ ایڈی نے اسے پارک کے ورکروں کے کپڑوں کی ڈرائی کلین کا ٹھیکہ دلوا کر دیا تھا۔

''تمہارا اس چکنے بچے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' نوئل ''لائف میگزین'' کا ایک شمارہ کھول کر اسے ایک نوجوان صدارتی امیدوار کی تصویر دکھاتا ہے۔ ''آخر یہ صدارتی الیکشن کیسے لڑ سکتا ہے؟ یہ تو بالکل بچہ ہے۔''

ایڈی کندھے اچکاتا ہے۔ ''بھئی، یہ ہماری عمر کا ہی ہے۔''

''بیوقوف مت بنو۔'' وہ اسے آنکھیں دکھاتا ہے۔ ''میرے خیال میں امریکہ کے صدر کو کچھ تجربہ کار اور بوڑھا ہونا چاہیے۔''

''ہم بھی بوڑھے ہی ہیں۔'' ایڈی بڑبڑاتا ہے۔

نوئل میگزین بند کر دیتا ہے۔ اس کی آواز تیز ہو جاتی ہے۔

''اے، تم نے برائٹن کے بارے میں کچھ سنا وہاں کیا ہوا؟''

ایڈی نے سر ہلایا اور کافی کا گھونٹ بھرا۔ اس نے بھی سنا تھا۔ برائٹن کے ایک تفریحی پارک میں ایک گنڈولا جھولا گرنے سے ایک ماں اور اس کا بیٹا مر گئے تھے۔ وہ ساٹھ فٹ کی بلندی سے گرے تھے۔

''تم وہاں کسی کو جانتے ہو؟'' نوئل پوچھتا ہے۔

ایڈی زبان دانتوں تلے دبالیتا ہے۔ وہ اکثر مختلف پارکوں اور تفریح گاہوں میں پیش آنے والے حادثات کے بارے میں سنتا رہتا تھا جس سے وہ ایک دم یوں کپکپا جاتا جیسے اس کے کان کے پاس کسی بھونڈ نے ڈنک مار دیا ہو۔ ایک بھی دن ایسا نہیں گذرتا تھا جب وہ یہ نہ سوچتا ہو کہ کہیں روبی پارک میں بھی کسی روز ایسا حادثہ نہ ہو جائے جہاں ایسے حادثات سے بچاؤ ہی اس کی ذمہ داری تھی۔

''نہیں تو۔'' وہ کہتا ہے۔ ''میں برائٹن میں کسی کو نہیں جانتا۔''

وہ کھڑکی سے باہر نظر دوڑاتا ہے جہاں ٹرین سٹیشن سے ساحل سمندر پر آنے والوں کا ایک ہجوم دکھائی دے رہا ہے۔ انہوں نے تولیے، چھتریاں، سامان رکھنے کی ٹوکریاں اور ان میں کاغذ میں لپٹے ہوئے سینڈوچ رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ایک نئی قسم کی چیز بھی اٹھا رکھی ہے اور یہ فولڈ ہو جانے والی کرسیاں ہیں جنہیں ہلکے ترین ایلومینیم سے تیار کیا گیا ہے۔

ان کے سامنے سے ایک بوڑھا شخص گذرتا ہے جس نے پانامہ ہیٹ پہن رکھا ہے اور انگلیوں میں سگار دبا ہوا ہے۔

''اس آدمی کو دیکھو۔'' ایڈی کہتا ہے۔ ''مجھے یقین ہے کہ یہ شخص سگار بورڈ واک پر کہیں گرا دے گا۔''

''ہاں۔'' نوئل کہتا ہے۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''یہ کہیں کسی چھید میں گر جائے گا اور پھر جل اٹھے گا۔ تم اس کی بو بھی سونگھ سکتے ہو۔ یہ لوگ لکڑی پر جو کیمیکل لگاتے ہیں، یہ اسی وقت دھواں چھوڑنے لگتی ہے۔ میں نے کل ایک بچے کو پکڑا۔ جو صرف چار برس کا تھا اور سگار کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالنے والا تھا۔''

نوئل منہ بناتا ہے۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''بس کچھ نہیں۔'' وہ ایک طرف مڑتے ہوئے کہتا ہے۔ ''لوگوں کو اپنے بچوں کے حوالے سے محتاط ہونا چاہیے۔''

نوئل کانٹے سے ساسیج کا ایک بڑا ٹکڑا منہ میں ڈالتا ہے۔ ''اور سناؤ، تم اپنی سالگرہ نہیں منا رہے۔''

ایڈی کوئی جواب نہیں دیتا۔ پرانی تاریکی ایک مرتبہ پھر اسے گھیر لیتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے کوئی خطرناک شے آپ کے برابر رکھ دی جائے۔ وہ اب اس کا عادی ہو چکا تھا اور اسے بالکل اسی طرح جگہ دینے لگا تھا جیسے بس میں آپ کسی مسافر کو جگہ دیتے ہیں۔

وہ اس روز مرمت کے کام کی زیادتی کے بارے میں سوچتا ہے۔ مثلاً فن ہاؤس میں آئینہ ٹوٹ چکا تھا۔ بمپر کاروں کے لیے نئے پرزوں کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ کچھ کاموں کے لیے مزید گلیو درکار تھی جس کے لیے آرڈر دینا تھا۔ اس نے برائٹن کے اس پارک کے غریب عملے کے بارے میں سوچا جہاں حادثہ ہوا تھا۔ وہ حیران تھا کہ آخر وہاں انچارج کون تھا۔

''آج تم کب چھٹی کرو گے؟'' نوئل پوچھتا ہے۔''''

ایڈی سانس باہر چھوڑتا ہے۔ ''آج کا دن بہت مصروف رہے گا۔ تمہیں پتہ ہے گرمیاں ہیں، ہفتے کا دن بھی ہے۔ تم تو جانتے ہی ہوناں۔۔۔''

''ہم چھ بجے تک ہارس ٹریک سے فارغ ہو سکتے ہیں۔'' نوئل کہتا ہے۔

ایڈی مارگریٹ کے بارے میں سوچتا ہے۔ نوئل جب بھی ہارس ٹریک کی بات کرتا ہے تو ایڈی کو مارگریٹ ہمیشہ یاد آتی ہے۔

''چلو چھوڑو۔ آج تو تمہاری سالگرہ ہے۔''

ایڈی کانٹے کو انڈے میں گھونپتا ہے جو بالکل ٹھنڈا ہو چکا ہے۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کہتا ہے۔

تیسرا سبق

''کیا پارک اس قدر خراب تھا؟'' بوڑھی خاتون نے پوچھا۔

''یہ میرا انتخاب نہ تھا۔'' ایڈی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''میری ماں کو مدد کی ضرورت تھی۔ کڑی سے کڑی ملتی گئی۔ سالوں گذر گئے۔ میں نے پھر وہ نوکری کبھی نہ چھوڑی۔ میں کبھی اور کہیں نہیں رہا۔ نہ کبھی دولت کمائی۔ تم تو جانتی ہو کہ جب انسان کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔ لوگ آپ پر انحصار کرنے لگتے ہیں۔ آپ ایک دن جاگتے ہیں تو آپ کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ آج کون سا دن ہے۔ آپ ایک ہی قسم کا بیزار کن کام کیے چلے جاتے ہیں۔ آپ بس 'جھولوں والا آدمی' ہوتے ہیں، جیسے۔۔۔''

''تمہارا باپ؟'' خاتون نے جملہ مکمل کیا۔

ایڈی کچھ نہ بولا۔

''وہ تم سے بہت سخت تھا۔'' بوڑھی خاتون نے پوچھا۔

ایڈی نے نظر جھکا لی۔ ''ہاں، ایسا ہی تھا۔''

''شاید تم بھی اس کے لیے سخت تھے۔''

''شاید۔ تمہیں پتہ ہے ناں کہ اس نے آخری مرتبہ مجھ سے بات کب کی تھی؟''

''آخری مرتبہ اس نے تمہیں مارنے کی کوشش کی تھی۔''

ایڈی نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور تمہیں پتہ ہے کہ اس نے مجھ سے آخری بات کیا کی تھی؟ نوکری تلاش کرو۔ باپ تھا وہ، ہو تم بہرے۔''

بوڑھی خاتون نے ایک لمحہ توقف کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کے بعد تم نے کام کرنا شروع کر دیا۔ تم

نے خود کو اٹھایا۔''

ایڈی نے غصے کی ایک لہر محسوس کی۔''دیکھو۔''اس نے تیز لہجے میں کہا۔''تم میرے باپ کو نہیں جانتی۔''

رُوبی نے اپنے ہاتھ میں موجود چھڑی سے ایک طرف اشارہ کیا اور برف میں ایک دائرہ بنایا۔ایڈی نے جب اس دائرے میں دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں حلقے سے باہر نکل آئی ہیں اور خود ہی کسی سمت میں سفر کر رہی ہیں۔پھر وہ ایک سوراخ میں داخل ہوتی ہیں اور ایک نئے لمحے کو سامنے لاتی ہیں۔تصاویر واضح ہو جاتی ہیں۔یہ بہت سالوں پرانی بات تھی اور یہ ان کے پرانے گھر کا منظر تھا۔وہ آگے پیچھے اور اوپر نیچے دیکھ سکتا ہے۔

پھر اس نے دیکھا۔

اس نے دیکھا کہ اس کی ماں جو پریشان دکھائی دے رہی تھی،کچن کی میز پر بیٹھی تھی۔اس نے دیکھا کہ مکی شیا بھی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔وہ بہت زبردست دکھائی دے رہا تھا۔اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور وہ مسلسل اپنے ماتھے اور نیچے ناک کو اپنے ہاتھوں سے مل رہا تھا۔پھر وہ رونے لگا۔ایڈی کی ماں نے اسے پانی کا ایک گلاس لا کر دیا۔اس نے اسے اشارہ کیا وہ انتظار کرے۔پھر وہ بیڈ روم میں چلی گئی اور دروازہ بند کر دیا۔اس نے اپنے جوتے اور گھر کے کپڑے اتار دیے۔وہ بلاؤز اور سکرٹ لینے کے لیے بڑھی۔

ایڈی کو تمام کمرہ دکھائی دے رہا تھا تاہم وہ یہ سننے سے قاصر تھا کہ وہ دونوں کیا باتیں کر رہے تھے۔ایک مدھم سا شور تھا۔اس نے دیکھا کہ مکی شیا جو کچن میں تھا،اس نے پانی کے گلاس کو نظر انداز کیا اور اپنی جیکٹ سے ایک فلاسک نکال کر اس میں سے گھونٹ بھرنے لگا۔پھر وہ دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور بیڈ روم کی جانب بڑھا۔اس نے دروازہ کھولا۔

اس نے دیکھا کہ اس کی ماں جو ابھی لباس تبدیل کر رہی تھی،ایک دم مڑی۔مکی بہکا ہوا تھا۔ماں نے اپنے گرد ایک چادر لپیٹ لی۔مکی قریب آیا۔اس کی ماں نے جبلی انداز میں ہاتھ آگے کرتے ہوئے اسے روکا۔ایڈی ایک لمحے کے لیے رک گیا لیکن پھر اس نے ایڈی کی ماں کا ہاتھ پکڑا اور پھر اسے بانہوں میں بھر لیا۔اس نے اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا اور اسے کمر سے پکڑتے ہوئے اس پر جھک

گیا۔ وہ پہلے کسمسائی اور پھر چیختے ہوئے مکی کو دھکا دے کر خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنے گرد لپٹی ہوئی چادر کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ لمبا چوڑا اور طاقتور تھا۔ اس نے اپنا چہرہ اس کے گالوں پر رکھ دیا جس سے اس کے آنسوؤں سے اس کی گردن بھیگ گئی۔

اچانک دروازہ کھلا تو ایڈی کا باپ سامنے کھڑا تھا۔ وہ بارش میں بھیگا ہوا تھا اور ایک بال پین ہیمر اس کی بیلٹ سے لٹکا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے بیڈروم کی طرف دوڑا اور دیکھا کہ مکی نے اس کی بیوی کو دبوچ رکھا تھا۔ ایڈی کا باپ بپھر گیا۔ اس نے ہتھوڑا بلند کیا۔ مکی نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور ایڈی کے باپ کو ایک سمت میں دھکا دے کر دروازے کی طرف بھاگا۔ ایڈی کی ماں رو رہی تھی۔ اس کا سینہ نیم برہنہ اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ ایڈی کے باپ نے اسے شانوں سے پکڑا اور زور سے اسے جھنجھوڑا۔ اس کا کپڑا اگر گیا۔ دونوں چیخ رہے تھے۔ ایڈی کا باپ غصے سے باہر کی جانب دوڑا تو ہتھوڑا ٹکرانے سے لیمپ ٹوٹ گیا۔ وہ لڑکھڑاتا اور چکراتا ہوا موسلادھار بارش والی اس رات میں ایک جانب دوڑ رہا تھا۔ ہتھوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔

''یہ کیا تھا؟'' ایڈی بے یقینی کے عالم میں چلایا۔ ''آخر یہ سب کیا تھا؟''

بوڑھی خاتون نے کچھ نہ کہا۔ وہ اس برفیلے دائرے کے ایک سمت میں گئی اور ایک اور دائرہ بنایا۔ ایڈی نے کوشش کی کہ نیچے نہ دیکھے لیکن وہ ایسا کیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ ایک بار پھر نیچے گر رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفر کر رہی تھیں۔

پھر اس نے دیکھا۔

اس نے روبی پارک کے آخری ترین سرے، جسے وہ ''نارتھ پوائنٹ'' کہتے تھے، پر بارش اور طوفان کا ایک منظر دیکھا۔ یہ ایک تنگ جیٹی تھی جو دور تک سمندر کے اندر جاتی تھی۔ آسمان سیاہی مائل نیلا ہو رہا تھا۔ پانی چھاجوں برس رہا تھا۔ مکی شیا جیٹی کے ایک کنارے پر لڑکھڑا رہا تھا، پھر وہ نیچے گر گیا۔ اس کا پیٹ زور زور سے اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں پر پڑا رہا۔ اس کا منہ تاریک آسمان کی طرف تھا۔ پھر اس نے ایک کروٹ لی اور لکڑی کے جنگلے سے نیچے سمندر میں جا گرا۔

ایڈی کا باپ چند لمحوں بعد وہاں پہنچا۔ وہ تیزی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ہتھوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جنگلے کو تھاما اور پانی کے اندر دیکھنے لگا۔ تیز ہوا سے بارش کی بوچھاڑ ادھر ادھر رقص

کررہی تھی۔اس کے کپڑے پانی میں بری طرح بھیگ چکے تھے جبکہ چمڑے کا اوزاروں کا تھیلا جو بیلٹ سے بندھا ہوا تھا، بھیگ جانے کے باعث گہرا سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔اسے لہروں میں کچھ دکھائی دیا۔وہ رک گیا، پھراس نے اپنا اوزاروں کا تھیلا اتار کر پھینک دیا اور ایک جوتا اتارا، اس نے دوسرا جوتا بھی اتارنا چاہا لیکن ناکام رہا۔اس نے جوتے سمیت ہی پانی میں چھلانگ لگادی اور تیز لہروں میں اس سمت میں تیرنے لگا جہاں اسے کچھ دکھائی دیا تھا۔

مکی پانی کی تیز لہروں میں ادھر ادھر غوطے کھا رہا تھا۔وہ نیم بے ہوش تھا اور اس کے منہ سے پیلے رنگ کی جھاگ نکل رہی تھی۔ایڈی کا باپ تیزی سے تیرتا ہوا اس کی جانب لپکا۔وہ چلا رہا تھا۔

اس نے مکی کو تھام لیا۔مکی لہرایا۔ایڈی کا باپ بھی زور سے پانی میں لہرایا۔بادل زور سے گرجے اور پانی تیزی سے برسنے لگا۔دونوں نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا لیکن پانی کی تیز لہریں انہیں چھوڑنے پر تیار نہ تھیں۔

مکی زور زور سے کھانس رہا تھا جبکہ ایڈی کے باپ نے اسے بازو سے جکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ کی مدد سے اسے کندھے سے اوپر اٹھا رکھا تھا۔وہ کبھی پانی میں غوطہ کھاتے اور کبھی اوپر آجاتے۔مکی بدستور نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ایڈی کے باپ نے اپنا تمام وزن مکی پر ڈال کر اسے کنارے کی جانب لے جانے کی کوشش کی۔وہ بھرپور طریقے پاؤں مار رہا تھا۔وہ کچھ آگے بڑھے لیکن پانی کی ایک تیز لہر نے انہیں دوبارہ پیچھے دھکیل دیا۔وہ پھر آگے بڑھے۔سمندر زوروں سے مچل رہا تھا اور لہریں انہیں ٹکریں مار رہی تھیں۔تاہم ایڈی کے باپ نے مکی کے بغلوں میں اپنا کندھا گھسیڑ کر اسے اوپر کررکھا تھا تاکہ اس کی سانس بحال رہے۔وہ پوری طاقت سے ٹانگیں چلا رہا تھا اور تیزی سے آنکھیں جھپکتے ہوئے کنارے کی سمت دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

اچانک ایک تیز لہر ان سے ٹکرائی اور اس نے انہیں کنارے کی جانب دھکیلا۔مکی ہانپنے اور بلبلانے لگا۔ایڈی کے باپ نے سمندر کی لہر پر تھوکا۔یوں لگتا تھا کہ وہ سمندر سے کبھی نہیں نکل سکیں گے۔بارش تیزی سے برس رہی تھی۔سفید جھاگ ان کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی جبکہ دونوں مرد اپنے ہاتھ اور پیر پوری طاقت سے پانی میں مار رہے تھے۔آخر ایک تیز لہر آئی اور اس نے دونوں کو اوپر اچھالتے ہوئے ریت پر لا پھینکا۔ایڈی کا باپ کوشش کر کے مکی کے نیچے سے نکلا اور اُسے جھاگ میں بہنے سے بچانے کے لیے ایک طرف ہٹایا۔جب لہریں کچھ کم زور پڑیں تو اس نے توانائی کی ایک

آخری لہر کی مدد سے مکی کو پانی سے مزید دور کیا۔ پھر وہ کنارے پر گر گیا۔ اس کا منہ کھلا تھا اور گیلی ریت منہ میں بھر چکی تھی۔

ایڈی یہ منظر دیکھ کر اور بھی حیرت میں گم ہو گیا۔ وہ خود کو اس طرح تھکا اور ٹوٹا ہوا محسوس کر رہا تھا جیسے خود سمندر سے لڑ چکا ہو۔ اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا تاہم اب اسے لگ رہا تھا کہ ایسا نہیں تھا۔

''آخر وہ کیا کر رہا تھا؟'' وہ بڑبڑایا۔

''ایک دوست کو بچا رہا تھا۔'' روبی نے کہا۔

''دوست!'' ایڈی نے اسے گھورا۔ ''اگر مجھے پتہ ہوتا کہ اس نے ایسا کام کیا تھا تو میں اسے خود اپنے ہاتھ سے سمندر میں ڈبو دیتا۔''

''تمہارے باپ نے بھی ایسا ہی سوچا تھا۔'' بوڑھی خاتون بولی۔ ''اس نے مکی کو مارنے کے لیے ہی اس کا پیچھا کیا تھا۔ شاید وہ اسے قتل ہی کر دیتا۔ لیکن آخر میں وہ ایسا نہ کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ مکی کون تھا۔ وہ اس کی خامیوں سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ شراب کے نشے میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔''

''بہت سالوں پہلے جب تمہارا باپ ملازمت ڈھونڈ رہا تھا تو یہ مکی ہی تھا جس نے اس کی مدد کی تھی اور اسے روبی پارک کے مالک سے بات کر کے کام دلوایا تھا۔ اور یہ مکی ہی تھا جس نے تمہاری پیدائش پر تمہارے والدین کو اپنے پاس جمع شدہ رقم دی تھی تا کہ وہ اپنے بچے کی ضروریات پوری کر سکیں جو کہ تمہارا باپ ابتداء میں پوری کرنے سے قاصر تھا۔ تمہارا باپ پرانی دوستیوں کو بہت سنجیدگی سے لیتا تھا۔''

''ایک منٹ خاتون۔۔۔'' ایڈی نے تیزی سے کہا۔ ''کیا تم نے دیکھا کہ وہ حرامزادہ میری ماں کے ساتھ کیا کر رہا تھا؟''

''میں نے دیکھا ہے۔'' روبی نے کہا۔ ''یہ غلط تھا لیکن چیزیں ہر بار وہ نہیں ہوتیں جو دکھائی دیتی ہیں۔''

''مکی کو اس روز ملازمت سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ اگلی شفٹ تک سوتا رہا تھا اور شدید نشے میں

ہونے کی وجہ سے جاگ نہ سکا چنانچہ اس کے مالک نے کہا کہ بہت ہو چکی اور اُسے ملازمت سے جواب دیدیا۔اس نے اس برے وقت کا مقابلہ اسی طرح کیا جس طرح وہ ہمیشہ کرتا تھا یعنی اس نے بہت زیادہ شراب پی لی اور جس وقت وہ تمہاری ماں کے پاس پہنچا تو اس وقت شدید نشے کی حالت میں تھا۔وہ مدد کی بھیک مانگ رہا تھا اور اپنی ملازمت واپس چاہتا تھا۔تمہارا باپ اس روز رات گئے تک کام کر رہا تھا اور تمہاری ماں اسے اپنے خاوند کے پاس لے کر جارہی تھی۔''

''مکی کچھ ہٹ دھرم تھا لیکن بُرا آدمی نہیں تھا۔اس لمحے وہ نشے اور شدید مایوسی اور غم کی حالت میں تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ اس کی تنہائی اور مایوسی کا نتیجہ تھا۔اس نے اپنی جبلت کے مطابق عمل کیا جو کہ منفی جبلت تھی۔تمہارے باپ نے بھی جبلت کے مطابق ردعمل دیا۔اگرچہ اس کی پہلی جبلت اسے قتل کرنے کی تھی لیکن حتمی جبلت نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس کی جان بچائے۔''

بوڑھی خاتون نے اپنے آنکھوں سے برف کا گالا صاف کیا۔

''وہ اسی وجہ سے بیمار ہوا۔وہ کئی گھنٹوں ساحلی کنارے پر پڑا رہا۔پانی سے تر اور شدید تھکاوٹ سے دوچار۔آخر وہ ہمت کر کے اٹھا اور بڑی مشکل سے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوا۔تمہارا باپ اس وقت نوجوان آدمی نہیں تھا۔وہ عمر کی پچاسویں دہائی میں تھا۔''

''چھپن سال۔۔۔''ایڈی نے تصحیح کی۔

''چھپن سال۔۔۔''خاتون نے دہرایا۔''اس کا جسم کمزور ہو چکا تھا۔سمندر نے اسے اپنا شکار بنالیا تھا۔وہ نمونیا میں مبتلا ہو گیا اور آخر کار اسی سے انتقال کر گیا۔''

''مکی کی وجہ سے۔۔۔''ایڈی بولا۔

''وفاداری کی وجہ سے۔۔۔''خاتون بولی۔

''لوگ وفاداری کے لیے اپنی جان نہیں دیتے۔''

''کیا مطلب؟''وہ مسکرائی۔''مذہب؟ حکومت؟ وطن؟ کیا لوگ ان چیزوں سے وفادار نہیں ہوتے۔بعض اوقات کیا وہ ان کے لیے موت کو گلے نہیں لگاتے؟''

ایڈی نے کندھے اچکائے۔

''ایک دوسرے سے وفادار ہونا بھی چاہیے۔''وہ بولی۔

اس کے بعد وہ کافی دیر تک برف سے ڈھکی اس پہاڑی وادی میں رہے۔ کم از کم ایڈی کو تو یہ بہت طویل وقت محسوس ہوا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اب تک کتنا وقت ہو چکا تھا اور ابھی مزید کتنی دیر لگے گی۔

''مکی شیا کا کیا بنا؟'' ایڈی نے پوچھا۔

''اس کا انتقال چند سال بعد ہوا۔'' بوڑھی خاتون بولی۔ ''وہ ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا اور یہ چیز اسے قبر تک لے گئی۔ جو کچھ بھی ہو چکا تھا اس کے لیے اس نے خود کو کبھی معاف نہیں کیا۔''

''لیکن میرا باپ۔۔۔'' ایڈی نے اپنا ماتھا کھجایا۔ ''اس نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔''

''اس نے اس واقعے کے بارے میں کبھی کسی سے بات نہیں کی۔ تمہاری ماں سے بھی نہیں۔ وہ مکی کی وجہ سے تمہاری ماں اور خود اپنے آپ سے شرمندہ تھا۔ ہسپتال میں اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ خاموشی اس کے لیے فرار تھی۔ تاہم خاموشی بہت کم فرار ثابت ہوتی ہے۔ اس کی سوچیں اسے پریشان کرتی تھیں۔''

''ایک رات اس کی سانسیں کمزور پڑ گئیں اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ دوبارہ نہ جاگ سکا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ قومہ میں چلا گیا ہے۔''

ایڈی کو وہ رات یاد آئی۔ فون کی ایک اور کال۔ مسٹر ناتھن سن۔ دروازے پر ایک اور دستک۔۔۔

''اس دن کے بعد سے تمہاری ماں اس کے بستر کے ساتھ لگی رہی۔ دن اور رات گذرتے رہے۔ وہ ہر وقت گریہ کرتی اور بڑبڑاتی جیسی دعا مانگ رہی ہو۔ جیسے کہہ رہی ہو، ''مجھے کچھ کرنا چاہیے تھا، مجھے کچھ کرنا چاہیے تھا''۔۔۔

''آخر ایک روز ڈاکٹروں کے اصرار پر وہ سونے کے لیے گھر چلی گئی۔ اس روز علی الصبح ایک نرس نے دیکھا کہ تمہارا باپ کھڑکی کے ساتھ فرش پر گرا ہوا تھا۔''

''ایک منٹ۔'' ایڈی نے کہا۔ ''کھڑکی کے ساتھ۔۔۔''

روبی نے سر ہلایا۔ ''اس رات کچھ ہوا تھا۔ تمہارا باپ قومے سے نکل آیا تھا۔ وہ بستر سے اٹھا۔ وہ کمرے میں چلتا ہوا کھڑکی کے پاس گیا اور ہمت جمع کرتے ہوئے کھڑکی کا پلہ کھولا۔ اس نے بہت دھیمی آواز میں تمہاری ماں کا نام پکارا۔ اس نے تمہیں اور تمہارے بھائی جو کو بھی پکارا۔ اس نے مکی کو بھی

آواز دی۔اس موقع پر یوں لگتا تھا جیسے اس کے دل سے تمام احساس گناہ اور پچھتاوا باہر کی طرف خارج ہورہا ہو۔شاید وہ محسوس کررہا تھا کہ موت کی روشنی اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔شاید اسے لگ رہا تھا کہ اس موقع پر تم سب وہاں موجود ہو اور کھڑکی سے نیچے گلیوں میں کہیں کھڑے ہو۔وہ کھڑکی کا سہارا لے کر کھڑا تھا۔رات بہت سرد تھی۔اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے ہوا اور نمی کو بہت شدید قرار دیا جاسکتا تھا۔صبح تک وہ موت سے ہمکنار ہو گیا۔''

''جب نرسوں نے اسے فرش پر گرا پایا، تو انہوں نے اسے کھینچ کھانچ کر دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔وہ خوفزدہ تھیں کہ ان کی نوکریاں نہ چلی جائیں، اس لیے انہوں نے ہر شے پر پردہ ڈال دیا اور یوں ظاہر کیا گیا جیسے وہ نیند کی حالت میں انتقال کر گیا تھا۔''

ایڈی حیرت سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔اس نے اپنے باپ کے آخری تاثر کے بارے میں سوچا۔اس کا باپ جو جنگ کا سخت جان ہیرو تھا، رینگتا ہوا کھڑکی کے پاس آ گیا تھا۔وہ کہاں جارہا تھا؟ وہ کیا سوچ رہا تھا؟ کون سی شے ناقابل وضاحت رہ جانے کی صورت میں زیادہ بدتر ہوتی ہے: موت یا زندگی؟

''تمہیں ان سب باتوں کا کیسے پتہ چلا؟''ایڈی نے روبی سے پوچھا۔

اس نے ایک سانس بھرا۔''تمہارے باپ کے پاس ہسپتال میں کمرہ لینے کے لیے پیسے نہیں تھے۔چنانچہ پردے کے دوسری طرف موجود شخص نے اس کی مدد کی۔''

اس نے توقف کیا۔

''یہ ایمائل تھا، میرا خاوند۔''

ایڈی نے نظر اوپر اٹھائی۔اس کا سر پیچھے کو گیا جیسے اس نے کوئی معمہ حل کر لیا ہو۔

''تو تم نے میرے باپ کو دیکھ رکھا تھا۔''

''ہاں۔''

''اور میری ماں کو۔''

''میں نے اسے ان تنہا راتوں میں بین کرتے دیکھا۔ہم نے کبھی ایک دوسرے سے بات نہ کی تھی۔تاہم جب تمہارے باپ کا انتقال ہوا تو میں نے تمہارے خاندان کے بارے میں پوچھا۔جب

مجھے پتہ چلا کہ وہ کہاں کام کرتا تھا تو مجھے شدید تکلیف ہوئی۔ مجھے یوں لگا کہ میں نے اپنے کسی پیارے کو گنوا دیا تھا۔ وہ پارک جو میرے نام پر تھا۔ مجھے یہ پارک منحوس دکھائی دیا اور میں نے دوبارہ حسرت کی کہ کاش یہ تعمیر ہی نہ ہوتا۔''

''یہ خواہش جنت میں بھی میرے ساتھ رہی۔ یہاں تک کہ میں نے تمہارا انتظار کیا۔''

ایڈی کچھ الجھا ہوا تھا۔

''ضیافت؟'' اس نے کہا اور پہاڑیوں سے آنے والی روشنی کے نقطے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ یہاں پر اس لیے ہے کیونکہ میں اپنے نوجوانی کے ایام میں لوٹنا چاہتی تھی جو ایک سادہ لیکن محفوظ زندگی تھی۔ اور میں ان تمام لوگوں کو چاہتی تھی جو روبی پارک کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ ہر حادثہ، ہر آتشزدگی، ہر لڑائی جھگڑا یا کچھ بھی۔ میں سب کو محفوظ اور مامون دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے ان سب کو ایسے ہی چاہتی تھی جیسے اپنے ایمائل کو، گرم جوش، سیر شدہ اور ایک اچھی جگہ پر رہتے ہوئے جو سمندر سے بہت دور ہو۔''

روبی اور ایڈی دونوں وہاں پر کھڑے تھے۔ ایڈی اپنے باپ کی موت کے بارے میں سوچے بغیر نہ رہ سکا۔

''مجھے اس سے نفرت تھی۔'' وہ بڑبڑایا۔

روبی نے سر ہلایا۔

''وہ مجھ پر بہت سختی کرتا تھا۔ اور جب میں بڑا ہوا تو وہ اور بھی زیادہ سخت ہو گیا۔''

روبی نے اس کی جانب قدم بڑھایا۔ ''ایڈورڈ۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ اس نے پہلی بار اسے نام سے پکارا تھا۔ ''میں تمہیں بتاتی ہوں۔ غصے کو دبا کر رکھنا ایک زہر کی طرح ہوتا ہے۔ یہ آپ کو اندر سے کھا جاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نفرت کرنا ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے ہم اس شخص پر حملہ کرتے ہیں جو ہمیں نقصان پہنچاتا ہے۔ لیکن نفرت ایک مڑی ہوئی تلوار ہے اور ہم اس سے جو بھی نقصان پہنچاتے ہیں، وہ خود کو ہی پہنچاتے ہیں۔''

''معاف کر دو۔ ایڈورڈ معاف کر دو۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ جب تم پہلی بار جنت میں پہنچے تو کس قدر ہلکے پھلکے تھے؟''

ایڈی کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ اس کی درد کہاں چلی گئی تھی؟

''یہ اس لیے تھا کہ کوئی بھی غصے کو ساتھ لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ اور ہم جب مرتے ہیں تو تب بھی اس سے آزاد سے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اب یہاں جنت میں آگے بڑھنے کے لیے تمہیں سمجھنا ہوگا کہ تم نے جو بھی محسوس کیا، کیوں محسوس کیا اور تمہیں اب ایسا محسوس کرنے کی ضرورت کیوں نہیں؟''

اس نے اس کے ہاتھ کو چھوا۔

''تمہیں اپنے باپ کو معاف کرنے کی ضرورت ہے۔''

ایڈی نے اپنے باپ کی موت کے بعد کے سالوں کے بارے میں سوچا۔ کس طرح وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ کس طرح وہ کہیں نہ جا سکا۔ اس تمام عرصے کے دوران ایڈی ایک خاص زندگی کے بارے میں سوچتا رہا جو وہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور جسے وہ حاصل کر سکتا تھا، اگر اس کے باپ کی موت واقع نہ ہوتی اور اس پر اپنی ماں کی ذمہ داری نہ آن پڑتی۔ اس تمام عرصے کے دوران وہ اپنے خوابوں کی زندگی کو بڑھا چڑھا کر اس کے بارے میں سوچتا رہا اور اپنے باپ کو اپنی تمام تر ناکامی اور تمام تر مایوسی کا ذمہ دار سمجھتا رہا۔ وہ اس گندے اور تھکا دینے والے کام سے کبھی نجات حاصل نہ کر سکا جو اس کا باپ اس کے لیے چھوڑ کر مرا تھا۔

''وہ جب مرا تو۔۔۔'' ایڈی بولا۔ ''میرے وجود کا ایک حصہ بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ میں اس کے بعد پھنس کر رہ گیا۔''

روبی نے سر ہلایا۔ ''تم پارک سے نجات حاصل نہ کر سکے، اس کا ذمہ دار تمہارا باپ نہیں تھا۔''

ایڈی نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تو پھر کون تھا؟''

اس نے اپنی سکرٹ کو چھوا اور اپنے چشمے کو سیٹ کیا۔ وہ دور جانے لگی۔

''ابھی تمہیں مزید دو لوگوں سے ملنا ہے۔'' وہ بولی۔

''ایک لمحہ رکو۔'' ایڈی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن ہوا کی ایک سرد لہر نے جیسے اس کے الفاظ کو برف کی طرح جما دیا۔ اس کے بعد ہر طرف تاریکی چھا گئی۔

روبی جا چکی تھی۔ وہ ایک بار پھر پہاڑ کی چوٹی پر ضیافت کے باہر برف میں کھڑا تھا۔

وہ کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا، یکہ و تنہا اور خاموش۔ یہاں تک کہ اس نے جان لیا کہ روبی اب

واپس نہیں آئے گی۔ چنانچہ اس نے دروازے کو پکڑا اور اسے دھیرے سے اندر کی جانب کھول دیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں پر کھڑ کھڑ کرتے برتنوں اور کھانوں کو ترتیب سے لگایا جا رہا تھا۔ اسے تازہ تازہ پکے کھانوں، روٹیوں اور چٹنیوں کی خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ تمام لوگ جن کی موت روبی پارک میں واقع ہوئی تھی، وہاں پر جمع تھے اور ایک دوسرے سے مصروف گفتگو تھے۔ وہ کھا رہے تھے، پی رہے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

ایڈی ہچکچاہٹ کے ساتھ آگے بڑھا اور سوچنے لگا کہ وہ آخر وہاں کیا کر رہا تھا۔ وہ دائیں طرف کو مڑا جہاں پر کونے پر بوتھ موجود تھا اور جہاں بیٹھا اس کا باپ سگار پینے میں مشغول تھا۔ اسے ایک کپکپی محسوس ہوئی۔ اسے اپنے باپ کا خیال آیا جب وہ ہسپتال کی کھڑکی کے قریب گر گیا تھا اور رات کے اندھیرے میں تنہائی میں انتقال کر گیا تھا۔

''ڈیڈی؟'' ایڈی نے سرگوشی کی۔

اس کے باپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایڈی مزید قریب ہوا۔ ''ڈیڈی، مجھے پتہ چل گیا ہے کہ کیا ہوا تھا۔''

اسے اپنے سینے میں کچھ پھنسا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بوتھ کے ساتھ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ایڈی اپنے باپ کے اس قدر قریب تھا کہ اسے اس کی چہرے پر موجود ننھے ننھے تل بھی دکھائی دے رہے تھے اور جلتے ہوئے سگار کی راکھ کے ذرے بھی نظر آ رہے تھے۔ اسے اس کی تھکی ہوئی آنکھوں کے نیچے موجود جھریاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی بیٹھی ہوئی ناک، ٹھوری کی ہڈی اور ایک محنت کش کے جیسے شانے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے خود اپنے بازوؤں کی جانب دیکھا اور اپنے خاکی جسم کے بارے میں جانا کہ وہ اس وقت اپنے باپ سے بھی زیادہ عمر کا تھا۔ وہ اسے ہر معاملے میں پیچھے چھوڑ چکا تھا۔

''ڈیڈی، میں تم سے ناراض ہوں۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔''

ایڈی کو محسوس ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اسے اپنے سینے میں لرزش محسوس ہوئی۔ کوئی شے اس کے اندر سے خارج ہو رہی تھی۔

''تم مجھے پیٹتے تھے۔ تم نے مجھے ذلیل کیا۔ میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا۔ تم ایسا کیوں کرتے تھے؟ کیوں؟'' وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ ''مجھے کچھ پتہ نہیں۔ او کے؟ میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ لیکن تم

میرے باپ ہو۔لیکن اب میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ٹھیک ہے؟ ٹھیک ہے ناں؟ کیا اب ہم اس کو بھلا سکتے ہیں؟''

اس کی آواز لرزی حتیٰ کہ اس قدر بھاری اور بھرائی ہوئی ہوگئی کہ اب وہ اس کی آواز ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔''او کے؟ کیا تم نے کچھ سنا؟'' وہ چلا اٹھا۔پھر وہ دھیرے سے بولا۔''ڈیڈی، کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟''

وہ اپنے باپ کے اور قریب ہوگیا۔اُسے اس کے میلے ہاتھ دکھائی دیے۔اس نے سرگوشی میں آخری مانوس الفاظ کہے۔''یہ ٹھیک ہوگیا ہے۔''

ایڈی نے میز کو زور سے بجایا اور پھر زور سے فرش پر پاؤں مارے۔اس نے اوپر دیکھا تو روبی کو اپنے سامنے پایا۔وہ جوان اور خوبصورت تھی۔اس نے سر جھکایا۔دروازہ کھولا اور اوپر نیلگوں آسمان کی طرف بلند ہونے لگی۔

جمعرات، صبح گیارہ بجے

ایڈی کی تدفین کے لیے ادائیگی کون کرے گا؟ اس کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ اس نے کوئی وصیت بھی نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی لاش شہر کے مردہ خانے میں پڑی رہی۔ اس کے زاتی کپڑے، اس کی دیگر اشیا، اس کی یونیفارم کی قمیض، جرابیں، جوتے، لینن کی ٹوپی، شادی کی انگوٹھی، اس کی سگریٹیں اور پائپ کلینر، یہ سب چیزیں کسی وارث کی منتظر تھیں۔

آخر پارک کے مالک مسٹر بل اوک نے ادائیگی کی اور اس کے لیے وہ رقم استعمال کی جو ایڈی کے لیے اس کی جانب سے واجب الادا تھی۔ لکڑی کا تابوت بنوایا گیا۔ آخری رسومات کے لیے پارک کی قریب ترین چرچ کا انتخاب کیا گیا تا کہ پارک کے تمام ملازمین اس میں شرکت کر سکیں اور پھر فوری طور پر پارک کو لوٹ سکیں۔

سروس شروع ہونے سے چند منٹ پہلے پادری صاحب نے ڈومینیگز، جس نے نیوی بلیو سپورٹ کوٹ اور اپنی سب سے بہترین سیاہ جینز پہن رکھی تھی، کو کہا کہ وہ اس کے دفتر آئے۔

''کیا تم متوفی کی کچھ بہترین خوبیوں کو بیان کر سکتے ہو؟'' پادری صاحب نے پوچھا۔ ''مجھے علم ہے کہ تم اس کے ساتھ کام کر چکے ہو۔''

ڈومینیگز نے تھوک نگلا۔ وہ پادریوں سے ملنے جلنے سے ویسے ہی گھبراتا تھا۔ اس نے انگلیوں کو سنجیدگی کے ساتھ جوڑا جیسے وہ اس حوالے سے کچھ سوچ رہا ہے۔ پھر وہ اس قدر دھیمے لہجے میں بولا جو کہ اس کے خیال میں ایسے مواقع پر ہونا چاہیے تھا۔

''ایڈی۔۔۔'' وہ بولا ''اپنی بیوی سے بہت پیار کرتا تھا۔''

پھر اس نے اپنی انگلیوں کو کھولا اور جلدی سے کہا۔ ''لیکن میں نے اس کی بیوی کو کبھی نہیں دیکھا۔''

جنت میں چوتھے فرد سے ملاقات

ایڈی نے پلکیں جھپکائیں اور خود کو ایک چھوٹے سے گول کمرے میں پایا۔ پہاڑیاں غائب ہو چکی تھیں اور نیلا آسمان بھی۔ وہ ایک نیچی چھت والے کمرے میں کھڑا تھا جس میں اس کا سر چھت سے بہت قریب تھا۔ کمرہ بھورا تھا اور اس طرح سادہ تھا جیسے شپنگ ریپ۔ کمرہ خالی تھا اور صرف لکڑی کا ایک سٹول اور اوول کی شکل کا آئینہ وہاں موجود تھا۔

ایڈی آئینے کے سامنے آیا۔ اسے آئینے میں اپنا عکس دکھائی نہ دیا۔ اس میں صرف کمرے کا عکس دکھائی دے رہا تھا جو ایک دم بڑا ہو چکا تھا اور اس میں دروازوں کی ایک قطار دکھائی دینے لگی تھی۔ ایڈی مڑا۔ پھر اسے کھانسی آئی۔

وہ اپنی کھانسی کی آواز سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اسے لگا کہ کھانسی کی آواز کسی اور طرف سے آ رہی تھی۔ وہ دوبارہ کھانسا۔ ایک سخت اور کھڑکھڑاہٹ والی کھانسی، جیسے کوئی چیز اس کے سینے میں بیٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ کب شروع ہوا؟ ایڈی نے سوچا۔ اس نے اپنی جلد کو چھوا جو اب روبی سے ملنے کے واقعے کے بعد بوڑھی محسوس ہوئی۔ یہ اب باریک اور خشک تھی۔ اس کا درمیانی دھڑ جو کیپٹن سے ملاقات کے موقع پر اس طرح کسا ہوا تھا جیسے ربڑ ہو، اب چربی کی وجہ سے ڈھیلا تھا یعنی عمر کا اثر۔

روبی نے کہا تھا کہ اسے ابھی دو مزید لوگوں سے ملنا ہے۔ پھر اس کے بعد؟ اس کی کمر کے زیریں حصے میں عجیب سی درد ہو رہی تھی۔ اس کی خراب ٹانگ کی سختی بڑھ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ کیا ہو رہا تھا۔ یہ جنت میں ہر نئے مرحلے پر ہوتا تھا۔ وہ گل سڑ رہا تھا۔

وہ وہاں موجود دروازوں میں سے ایک کی طرف مڑا اور اسے دھیرے سے کھولا۔ وہ ایک دم

وہاں سے باہر تھا۔ یہ ایک گھر کا بہت بڑا صحن تھا جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور وہ جس مقام پر واقع تھا وہ بھی اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں پر ایک شادی کی تقریب ہو رہی تھی۔ مہمان چینی کی پلیٹیں ہاتھوں میں تھامے گھر کے لان میں جمع تھے۔ آخری سرے پر ایک راستہ تھا جو پھولوں کی پتیوں اور برچ کی شاخوں سے ڈھکا ہوا تھا جبکہ دوسرے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کے ذریعے ایڈی وہاں پر آیا تھا۔ دلہن جو جوان اور خوبصورت تھی، ایک گروہ کے مرکز میں کھڑی تھی اور اپنے مکھن کے رنگ سے بالوں سے ایک پن نکال رہی تھی۔ دولہا دبلا پتلا اور لمبا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا شادی کا کوٹ پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں ایک تلوار تھام رکھی تھی جبکہ اس تلوار کی نوک کے ساتھ شادی کی انگوٹھی ٹنگی ہوئی تھی۔ اس نے تلوار کو دلہن کی طرف جھکایا تو دلہن نے انگوٹھی لے لی جس پر لوگ خوشی سے چلانے اور تالیاں بجانے لگے۔ ایڈی نے ان کی آواز سنی۔ تاہم ان کی زبان غیر ملکی تھی۔ شاید جرمن؟ یا سویڈش؟

ایڈی کو ایک پھر کھانسی آئی جس پر لوگوں نے اس کی جانب دیکھا۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی اور اس مسکراہٹ نے ایڈی کو خوفزدہ کر دیا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹا اور اس دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے وہ اندر داخل ہوا تھا تاکہ اس گول کمرے میں پہنچ سکے جہاں وہ تھا۔ لیکن اس کے بجائے وہ شادی کی ایک اور تقریب میں کھڑا تھا۔ شادی کی یہ تقریب اندرون خانہ ہو رہی تھی۔ یہ بڑا سا ہال تھا جہاں موجود افراد ہسپانوی دکھائی دے رہے تھے اور دلہن نے اپنے بالوں میں مالٹے رنگ کے پھول لگا رکھے تھے۔ وہ کبھی ایک ساتھی کے ساتھ ناچتی اور پھر دوسرے کے ساتھ ناچنے لگتی اور ہر مہمان اسے سکوں سے بھرا ایک تھیلا دے رہا تھا۔

ایڈی ایک بار پھر کھانسے بغیر نہ رہ سکا اور جب بہت سے مہمانوں نے اس کی جانب دیکھا تو وہ اسی دروازے سے دوبارہ باہر نکل گیا اور اس بار اپنے اندازے کے مطابق خود کو کسی افریقی شادی میں پایا جہاں اہل خاندان شراب کو زمین پر انڈیل رہے تھے اور دولہا دلہن ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ایک جھاڑو کو پھلانگ رہے تھے۔ پھر وہ ایک چینی شادی کی تقریب میں پہنچا جہاں مہمانوں کے سامنے آتش بازی کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ ایک جگہ فرانسیسی شادی ہو رہی تھی جہاں دولہا دلہن نے ہاتھوں کے چلو بنا کر کوئی مشروب پیا۔

یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ ایڈی نے سوچا۔ شادی کی ہر تقریب سے وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ مہمان وہاں کیسے پہنچے کیونکہ وہاں بسیں تھیں نہ کاریں، بگھیاں تھیں نہ لاریاں۔ روانگی کوئی مسئلہ دکھائی

نہیں دیتا تھا۔ مہمان باتیں کر رہے تھے اور ایڈی انہی میں سے ایک دکھائی دیتا تھا کیونکہ اس نے انہیں مسکرا کر تو دیکھا تھا لیکن کوئی بات نہیں کی تھی، زمین پر شادی کی جن چند تقاریب میں اس نے شرکت کی تھی، وہاں پر بھی وہ ایسے ہی کرتا تھا۔ اس کا طرز عمل کچھ یونہی تھا۔ ایڈی کے خیال میں شادیوں یہ تقریبات شرمندہ کرنے والی کچھ چیزوں سے بھری ہوتی تھیں جیسے جوڑے کو کہا جاتا کہ وہ رقص میں شامل ہو یا دلہا کو اپنی دلہن کو کرسی سمیت اٹھانا پڑتا۔ اس موقع پر اس کی خراب ٹانگ میں درد بڑھ جاتا اور ایڈی کو یوں لگتا جیسے تمام مہمان اس کی حالت سے واقف ہیں۔

انہی وجوہات کے باعث ایڈی شادیوں میں جانے سے کتراتا تھا اور کبھی جاتا بھی تو اکثر پارکنگ میں کھڑا ہو کر سگریٹ پیتا رہتا اور وقت گذرنے کا انتظار کرتا۔ ایک طویل عرصے تک اسے شادی کی کسی تقریب میں شرکت کا اتفاق نہ ہوا۔ زندگی کے اواخر سالوں میں اس نے پھر شادی کی تقریبات میں شرکت کی کیونکہ پارک کے بہت سے ملازمین کے بچے بڑے ہو کر شادیاں رچا رہے تھے اور دلہنیں لا رہے تھے۔ تب وہ اپنا کوئی پرانا جوڑا نکالتا اور اس کے ساتھ کوئی قمیض میچ کرتا اور اپنی موٹی گردن میں ٹائی ڈال کر شادی کی ان تقریبات میں شرکت کرتا۔ عمر کے اس حصے میں اس کی متاثرہ ٹانگ کی ہڈیاں مزید کمزور ہو چکی تھیں اور ان کی شکل بگڑ چکی تھی۔ گٹھیا اس کے گھٹنوں میں سرایت کر چکا تھا۔ وہ شدید لنگڑاہٹ کے ساتھ چلتا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے خود کو زندگی کی بہت سی دلچسپیوں سے دور کر لیا تھا جیسے رقص و سرود کی محفلیں اور دیگر مصروفیات وغیرہ۔ اب وہ ایک بوڑھا آدمی تھا، تنہا، غیر اہم اور زیادہ تر لوگ اس سے توقع بھی نہیں رکھتے تھے کہ وہ کسی متحرک سرگرمی میں حصہ لے، ماسوائے فوٹو کھنچوانے کے لیے ایک مسکراہٹ۔

لیکن یہاں وہ اپنے پارک کی یونیفارم میں ایک شادی سے دوسری شادی اور ایک ولیمے سے دوسرے ولیمے میں شرکت کر رہا تھا۔ ہر شادی میں مختلف زبان بولی جا رہی تھی، مختلف انداز کے کھانے اور مختلف موسیقی تھی۔ ہر شادی کی رسمیں اور روایات بھی ایک دوسرے سے الگ تھیں۔ ایڈی کو ان شادیوں کے فرق کے حوالے سے کوئی حیرانی نہیں تھی، اسے علم تھا کہ دنیا میں جس طرح شادیاں ہوتی ہیں، وہاں بھی ویسے ہی ہو رہی تھیں۔ تاہم ایڈی سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کا ان شادیوں سے کیا تعلق تھا۔

اب کہ اس نے ایک مرتبہ پھر دروازہ کھولا تو خود کو کسی ایسی جگہ پایا جو کوئی اطالوی گاؤں معلوم ہوتا تھا۔ وہاں پر پہاڑی ڈھلوانوں اور چڑھائیوں پر انگوروں کی بیلیں تھیں جبکہ چٹانی پتھروں سے بنے

فارم ہاؤس دکھائی دے رہے تھے۔ زیادہ تر مردوں کے بال موٹے اور گہرے سیاہ تھے اور انہوں نے ان کو ہلکا سا گیلا کر کے پیچھے کی جانب کنگھی کر رکھا تھا جبکہ عورتیں گہری سیاہ آنکھوں اور تیکھے نقوش والی تھیں۔ اس نے ایک دیوار کے ساتھ اس مقام کو دیکھا جہاں اس نے دیکھا کہ دولہا دلہن ایک دو ہتھوں والی آری سے کسی درخت کا بڑا تنا کاٹ رہے تھے۔ موسیقی چل رہی تھی اور باجوں، گٹاروں، وائلنوں، بانسریوں اور دیگر آلات سے آراستہ فنکار اپنے کام میں مصروف تھے۔ اس طرح شادی کی تقریب عروج پر تھی۔ ایڈی نے مزید کچھ قدم پیچھے ہٹائے۔ پھر ایڈی نے حیرانی سے شرکاء کی جانب دیکھا۔

دلہن کی ایک خادمہ جس نے لمبا چغہ پہن رکھا تھا اور سروں پر تنکوں کا والا ہیٹ تھا، ایک ٹوکری میں مٹھائی سے گندھے بادام بھر کر مہمانوں میں تقسیم کر رہی تھی۔ کچھ فاصلے سے وہ ٹین ایجر یعنی نوعمر دکھائی دیتی تھی۔

''لیجے، منہ اچھا کیجیے۔'' وہ میٹھے بادام دیتے ہوئے کہتی۔

''لیجے، منہ اچھا کیجیے۔''

''لیجے، منہ اچھا کیجیے۔''

اس کی آواز سنتے ہوئے ایڈی کو اپنا جسم ایک دم لرزتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا پسینہ چھوٹنے لگا۔ کسی شے نے اسے دوڑنے کے لیے کہا۔ لیکن کسی چیز نے اس کے پیروں کو جما دیا جیسے اس کے پاؤں برف میں دھنس ہو گئے ہوں۔ وہ اس کے راستے میں آئی۔ اس نے ہیٹ کے چھجے، جس کے کنارے کے ساتھ پھول ٹنکے ہوئے تھے، کو ذرا سا اوپر کر کے اسے دیکھا۔

''لیجے، منہ اچھا کیجیے۔'' اس نے میٹھے بادام نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''کچھ تلخیوں اور کچھ مٹھاس کے لیے۔۔۔''

اس کے کالے سیاہ بال اس کی ایک آنکھ پر گرے ہوئے تھے اور ایڈی کو اپنا دل ایک دھماکے کی طرح دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے اپنے ہونٹ کھولنے میں چند لمحے لگے اور اس کے حلق سے نکلنے والی آواز نے بھی اٹھنے میں کچھ وقت لیا لیکن اس کے منہ سے نکلنے والی آواز کوئی جملہ نہیں تھی بلکہ یہ محض ایک لفظ، ایک نام تھا جس نے ہمیشہ اس کے دل کے تاروں کو بجایا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

''مارگریٹ۔۔۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''کچھ تلخیوں اور کچھ مٹھاس کے لیے۔۔۔'' وہ بولی۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

ایڈی اوراس کا بھائی جومرمت کی شاپ میں بیٹھے ہیں۔

"یہ دیکھو۔۔۔" جوایک ڈرل مشین اس کے سامنے لہراتا ہے۔"یہ جدید ترین ماڈل ہے۔"

جو نے ایک چیک دار سپورٹ کوٹ اور کالے اور سیاہ سیڈل شوز پہن رکھے ہیں۔ایڈی کا خیال ہے کہ جو کچھ زیادہ ہی فینسی دکھائی دیتا ہے اور فینسی کا مطلب ہے شوباز، دکھاوا کرنے والا۔لیکن جو اس وقت ایک ہارڈ ویئر کمپنی کا سیلز مین ہے جبکہ ایڈی نے گذشتہ کئی سالوں سے ایک ہی یونیفارم پہن رکھی ہے۔

"یس سر۔۔" جو کہتا ہے۔"اور یہ دیکھیں۔۔۔یہ اس بیٹری سے چلتی ہے۔"

اس نے اپنی انگلیوں میں ایک ننھی سی بیٹری دبا رکھی ہے اور یہ ننھی سی شے نکل کیڈمیم کہلاتی ہے۔ یقین نہ آتا تھا۔

"اسے چلائیں۔۔" جو مشین اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہتا ہے۔

ایڈی بٹن دباتا اور ایک شور کے ساتھ ڈرل مشین چلنے لگتی ہے۔

"کیسا ہے، ہونہہ؟۔۔۔" ایڈی چلاتا ہے۔

اس صبح جو نے ایڈی کو اپنی نئی ملازمت اور تنخواہ کے بارے میں بتایا تھا۔یہ ایڈی کی تنخواہ سے تین گنا زیادہ تھی۔پھر جو نے ایڈی کو اس کی ترقی پر مبارک باد دی کیونکہ وہ اپنے باپ کی جگہ روبی پائیر کی مرمت وغیرہ کے کام کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔ایڈی اسے کہنا چاہتا تھا،"اگر یہ اتنا اچھا ہے تو میری ملازمت تم لے لو اور اپنی مجھے دے دو؟" لیکن اس نے ایسا نہ کہا۔ایڈی نے ایسی بات کبھی نہیں کی تھی جس سے اس کے گہرے جذبات کی عکاسی ہوتی ہو۔

"ہیلو، کوئی ہے یہاں؟"

دروازے پر مارگریٹ کھڑی تھی اور اس نے مالٹے رنگ کے ٹکٹوں کی ریل پکڑی ہوئی تھی۔ ایڈی کی نظر ہمیشہ کی طرف اس کے چہرے پر پڑی، اس کی زیتون جیسی جلد، کافی جیسی کالی آنکھیں۔ اس نے اس سیزن میں ٹکٹ بوتھ میں ملازمت حاصل کی تھی اور اس نے روبی پارک کا باقاعدہ یونیفارم پہن رکھا تھا جو ایک سفید قمیض، سرخ ویسٹ، کالی پٹیوں والی پتلون اور سرخ بیرٹ پر مشتمل تھا۔ اس کی ہنسلی کی ہڈی کے نیچے پٹی پر اس کا نام کڑھا ہوا تھا۔ اس موقع پر ایڈی اکثر غصے میں آجاتا بالخصوص جب اس کا ہوٹ شوٹ بھائی موجود ہو۔

''اسے بھی یہ ڈرل مشین دکھاؤ۔'' جو کہتا ہے۔ پھر وہ مارگریٹ کی طرف مڑتا ہے۔ ''یہ بیٹری سے چلتی ہے۔''

ایڈی بٹن دباتا ہے۔ مارگریٹ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی ہے۔

''اس کی آواز تو تمہارے خراٹوں سے بھی تیز ہے۔'' وہ کہتی ہے۔

''واؤ۔۔۔ ہوہا۔۔۔'' جو قہقہہ لگاتے ہوئے چلاتا ہے۔ ''لگا ناں پتہ، ہے ناں طاقتور۔۔۔''

ایڈی شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتا ہے اور پھر بیوی کی طرف دیکھتا ہے جو مسکرا رہی ہے۔

''کیا تم باہر آسکتے ہو؟'' وہ کہتی ہے۔

''میں کام کر رہا ہوں۔'' ایڈی ڈرل مشین لہراتا ہے۔

''ایک منٹ کے لیے۔۔۔ ٹھیک؟''

ایڈی دھیرے سے کھڑا ہوتا ہے اور پھر باہر کی جانب بڑھتا ہے۔ سورج کی روشنی اس کے چہرے سے ٹکراتی ہے۔

''ہیپی برتھ ڈے۔۔۔ مسٹر ایڈی۔۔۔'' بچوں کا ایک گروہ یک آواز ہو کر چلاتا ہے۔

''اچھا، شکریہ۔۔'' ایڈی کہتا ہے۔

مارگریٹ چلاتی ہے۔ ''اچھا بچو، موم بتیاں کیک پر رکھو۔۔۔''

بچے اس ونیلا کیک کی جانب بھاگتے ہیں جو کہ ایک قریبی فولڈنگ والی میز پر دھرا ہے۔ مارگریٹ ایڈی کی طرف جھکتی ہے اور سرگوشی کرتی ہے۔ ''میں نے ان بچوں سے کہا ہے کہ تم ساری کی ساری اڑتیس موم بتیاں ایک پھونک میں بجھاؤ گے۔''

ایڈی حلق کھنگارتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی بچوں کو منظم کرتی ہے۔ مارگریٹ کو بچوں کے

ساتھ دیکھ کر ایڈی کا موڈ ہمیشہ کی طرح اچھا ہو جاتا ہے کیونکہ مارگریٹ بچوں کے ساتھ خوش دکھائی دیتی ہے اور اس موقع پر اس کے چہرے سے اداسی اور ملال کی ملی جلی روشنی پھوٹنے لگتی ہے جس کی وجہ اس کا بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے قاصر ہونا ہے۔ ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ وہ بہت زیادہ نروس ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس نے بہت دیر کر دی، اسے پچیس سال کی عمر تک ماں بن جانا چاہیے تھا۔ وہ بہت سے ڈاکٹروں کے پاس گئے حتیٰ کہ ان کے پاس روپے ختم ہو گئے۔ ایڈی باپ نہ بن سکا۔

گذشتہ لگ بھگ ایک سال سے مارگریٹ بچہ گود لینے پر اصرار کر رہی ہے۔ وہ لائبریری گئی۔ کچھ کاغذات وغیرہ بھی لائی۔ ایڈی کہتا کہ ان کی عمر بہت ہو چکی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ بچہ گود لینے کے لیے کتنی عمر ہونی چاہیے؟

ایڈی کہتا کہ وہ اس بارے میں کچھ سوچے گا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کیک کے پاس کھڑے ہو کر چلاتی ہے۔ ''تیار ہو جاؤ ایڈی۔ موم بتیاں بجھاؤ، سب ایک ساتھ بجھنی چاہئیں۔ لیکن ٹھہرو۔۔۔'' وہ اپنا بیگ ٹٹولتی ہے اور ایک کیمرہ نکالتی ہے۔ یہ پیچیدہ اور مشکل سا کیمرہ ہے جس میں بہت سے بٹن اور نوڈ لگے ہوئے ہیں اور ایک گول فلیش لائٹ ہے۔

''شارلین، دیکھو میں اسے کیسے چلاتی ہوں۔ یہ پولارائیڈ ہے۔''

مارگریٹ تصویریں لینے کے لیے سب کو ترتیب سے کھڑا کرتی ہے۔ ایڈی کیک کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ بچے اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اڑتیس موم بتیوں کے شعلوں کی تعریف کرنے لگتے ہیں۔

ایک بچہ ایڈی کو کہنی مارتا ہے۔ ''سب کو ایک ساتھ بجھانا ہے۔ ٹھیک ہے؟'' وہ کہتا ہے۔

ایڈی نیچے دیکھتا ہے۔ سب بچے دلچسپی اور امید کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ وہ تالیاں بجانے کے لیے تیار ہیں۔

''اچھا، میں بجھاتا ہوں۔'' وہ کہتا ہے۔ لیکن اس کی نظر اپنی بیوی پر ہے۔

ایڈی اور مارگریٹ

ایڈی نے نوجوان مارگریٹ کی جانب غور سے دیکھا۔

''کیا یہ تم ہی ہو؟'' اس نے کہا۔

اس نے باداموں والی ٹوکری نیچے کی اور اداسی سے مسکرائی۔ ان کے عقب میں بھرپور انداز سے رقص جاری تھا اور سورج سفید بادلوں کی ایک پٹی کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔

''کیا یہ تم ہی ہو؟'' اس نے پھر کہا۔

رقص کرنے والے چلائے۔ ہو ہو ہاہا۔۔۔

طنبوروں پر ہاتھ زور زور سے برسنے لگے۔

اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ایڈی نے جبلی انداز میں جلدی سے اسے تھام لیا جیسے کوئی گرتی شے پکڑ رہا ہو۔ ان کی انگلیاں ملیں اور اسے ایسی سنسنی محسوس ہوئی جو اسے کبھی نہ ہوئی تھی۔ ایسے لگا جیسے گوشت سے گوشت مل رہا تھا، نرم اور گرم۔۔۔ اور گدگداتا ہوا۔ وہ اس کے سامنے خم ہو گئی۔

''کیا یہ تم ہی ہو۔'' اس نے پوچھا۔

''یہ میں ہی ہوں۔'' اس نے سرگوشی کی۔

ہو ہو ہاہا۔۔۔

''یہ تم نہیں ہو۔۔۔ یہ تم نہیں ہو۔۔۔ یہ تم نہیں ہو۔۔۔'' ایڈی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اپنی موت کے بعد سے لیکر اب تک وہ پہلی بار رو دیا۔

ان کی اپنی شادی کرسمس کے موقع پر ایک چائنیز ریسٹورینٹ ''سامی ہونگز'' کے دوسرے فلور پر ہوئی تھی۔ روشنی مدھم رکھی گئی تھی۔ ریسٹورینٹ کے مالک سامی نے رات بھر کے لیے اسے کرائے پر

دیدیا تھا کیونکہ اس کا کاروبار مندا چل رہا تھا۔ ایڈی کو فوج سے ملنے والے پیسوں میں سے جتنے بچے تھے وہ سب اس نے شادی کی تقریب پر خرچ کر دیے۔ شادی میں مہمانوں کو روسٹ چکن، چینی سبزیاں اور دیگر چیزیں پیش کی گئیں جبکہ ماحول کو دوبالا کرنے کے لیے اکارڈین نواز کا انتظام کیا گیا۔ شادی کے لیے کرسیوں کی ضرورت پڑی چنانچہ جب ایجاب وقبول ہو گیا تو ویٹرز نے مہمانوں کو کرسیوں سے اٹھادیا اور کرسیاں لے کر نیچے چلے گئے۔ چنانچہ اکارڈین والے کو سٹول پر بیٹھنا پڑا۔ کئی سال بعد مارگریٹ مذاق کرتی اور کہتی کہ ان کی شادی میں جس شے کی کمی محسوس کی گئی وہ "بنگو کارڈز" تھے۔

کھانا جب ختم ہوا اور تحفے تحائف کا تبادلہ ہو گیا تو فائنل ٹوسٹ کیا گیا اور اس کے بعد اکارڈین نواز نے اپنے آلے کو کیس میں بند کر دیا۔ ایڈی اور مارگریٹ سامنے والے دروازے سے روانہ ہوئے۔ اس وقت ٹھنڈی اور سرد بارش ہو رہی تھی تاہم دولہا دلہن پیدل ہی اپنے گھر گئے جو چند قدم کے فاصلے پر واقع تھا۔ مارگریٹ نے شادی کا جوڑا ایک موٹے گلابی سویٹر کے نیچے پہن رکھا تھا جبکہ ایڈی نے سفید سوٹ کوٹ پہن رکھا تھا جس میں اس کی موٹی گردن قمیض کے کالر میں پھنسی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ وہ روشنی والے کھمبوں کے قریب سے گذرے۔ اس رات یوں لگتا تھا کہ جیسے ان کے آس پاس ہر شے روشن ہو۔

لوگ کہتے ہیں کہ انہیں پیار یوں "ملتا" ہے جیسے یہ کوئی چٹان کے نیچے دبا ہوا کوئی پتھر ہو۔ لیکن پیار مختلف شکلیں بدلتا ہے اور عورت اور مرد کے لیے کبھی بھی ایک سا نہیں رہتا۔ اس کے بعد لوگوں کو جو ملتا ہے، وہ ایک مخصوص پیار ہوتا ہے۔ ایڈی نے مارگریٹ سے ایک مخصوص پیار پایا۔ ایک مہربان پیار۔ ایک گہرا لیکن خاموش پیار، جو ایڈی کے لیے ہر شے سے بڑھ کر تھا اور ناقابل تبدیل۔ اس کے انتقال کے بعد ایڈی کے لیے ہر شے بےکار ہو گئی۔ اس نے اپنے دل کو گہری نیند سلا دیا۔

اب وہ ایک بار پھر موجود تھی، بالکل اسی طرح جوان جیسی وہ شادی کے پہلے دن تھی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ بولی۔

ایڈی نے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن اس کی متاثرہ ٹانگ میں شدید درد ہوا اور وہ ایک دم بیٹھ گیا۔ اس نے اسے بڑے آرام سے اٹھا دیا۔

"تمہاری ٹانگ۔۔۔" اس نے اس کی ٹانگ پر زخم کے مدھم ہو چکے نشان کے حوالے سے کہا۔

پھر اس نے اوپر دیکھا اور کانوں کے نیچے اس کے سفید بالوں کو چھوا۔

''یہ تو سفید ہو چکے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

ایڈی اپنی زبان تک نہ ہلا سکا۔ وہ اسے سوائے دیکھنے کے کچھ بھی نہ کہہ پایا۔ وہ بالکل ایسے تھی جیسے اسے یاد تھا، یعنی پہلے سے زیادہ حسین، اس وقت سے کہیں بڑھ کر جب وہ بوڑھی ہو چکی تھی اور اذیت سے دوچار تھی۔ وہ اس کے ساتھ خاموشی سے کھڑا تھا حتیٰ کہ مارگریٹ کی آنکھیں تنگ ہوئیں اور اسکے ہونٹ شرارت آمیز انداز میں متحرک ہوئے۔

''ایڈی۔۔۔'' اس نے چہکتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم اتنی جلدی بھول گئے کہ میں کیسی دکھائی دیتی تھی؟''

ایڈی نے تھوک نگلا۔ ''میں کبھی نہیں بھولا۔''

اس نے نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تو ایک گرمجوش حرارت کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے گاؤں اور مصروف رقص مہمانوں کی طرف دیکھا۔

''یہ تمام شادیاں۔۔۔'' وہ خوشی سے کہنے لگی۔ ''میرا اپنا انتخاب ہیں۔ ہر دروازے کے پیچھے شادیوں کی ایک دنیا ہے۔ اوہ، ایڈی کچھ بھی نہیں بدلتا۔ جب دولہا دلہن کا گھونگٹ اٹھاتا ہے، جب دلہن انگوٹھی قبول کرتی ہے تو تم ان کی آنکھوں میں امکانات کی ایک دنیا دیکھ سکتے ہو۔ ساری دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ گہرائی سے یقین رکھتے ہیں کہ ان کا پیار اور ان کی شادی دنیا کے تمام ریکارڈ توڑنے جا رہے ہیں۔''

''کیا ہم نے بھی ایسا ہی کچھ کیا تھا؟'' وہ مسکرائی۔

ایڈی سمجھ نہ پایا کہ جواب دے۔

''ہماری شادی میں ایک اکارڈین بجانے والا آیا تھا'' وہ بولا۔

وہ شادی کی تقریب سے آگے بڑھتے ہوئے ایک سنگی راستے پر ہو لیے۔ موسیقی کی آواز مدھم ہوتی ہوئی شور میں گم ہونے لگی۔ ایڈی اسے وہ سب کچھ بتانا چاہتا تھا جو اس نے دیکھا تھا اور جو کچھ بھی ہوا تھا۔ وہ اس سے بھی ہر بات، ہر چھوٹی بڑی بات کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے اندر ایک کھلبلی محسوس ہو رہی تھی، ایک عجیب و غریب سا اضطراب، اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کہاں سے شروع کرے۔

''کیا تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں پانچ لوگ ملے؟''

مارگریٹ نے سر ہلایا۔

''مختلف پانچ لوگ؟'' اس نے پھر پوچھا۔

مارگریٹ نے سر ہلایا۔

''کیا انہوں نے ہر چیز کی وضاحت کی؟ اور اس سے کچھ فرق پڑا؟''

وہ مسکرائی۔ ''فرق ہی فرق؟'' اس نے اس کی ٹھوری کو چھوتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر میں نے تمہارا انتظار کیا۔''

اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی مسکراہٹ پر غور کیا۔ وہ حیران تھا کہ اس کا انتظار اس رنگ میں ہوگا۔

''تم میرے بارے میں کتنا جانتے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ اس وقت سے جب۔۔۔''

وہ بدستور کچھ کہنے میں مشکل پا رہا تھا۔

''جب سے تمہارا انتقال ہوا؟''

اس نے اپنا تنکوں والا ہیٹ اٹھایا اور اپنی سیاہ اور جوان چٹیاؤں کو ماتھے سے ہٹایا۔ ''ہاں، میں اس وقت کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں جب ہم اکٹھے ہوا کرتے تھے۔''

اس نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبایا۔

''اور اب میں جانتا ہوں کہ یہ سب کیوں ہوا۔۔۔''

مارگریٹ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''اور میں یہ بھی جانتی ہوں۔۔۔ کہ تم مجھ سے سچا پیار کرتے تھے۔''

اس نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔ اس نے ایک بھرپور گرم جوشی کو محسوس کیا۔

''مجھے علم نہیں کہ تمہارا انتقال کیسے ہوا؟''

ایڈی نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ کہنے لگا۔ ''وہاں پر ایک لڑکی تھی، ایک ننھی لڑکی، وہ جھولوں میں پھنس گئی تھی اور مشکل میں تھی۔''

مارگریٹ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بہت جوان دکھائی دیتی تھی۔ ایڈی کے لیے اسے اپنی موت

کے بارے میں بتانا پہلے سے زیادہ مشکل محسوس ہو رہا تھا۔

''وہاں پر یہ جھولے تھے، دیکھو، یہ نئے جھولے۔ وہ جن جھولوں کے عادی تھے، یہ ویسا بالکل نہیں تھا، ہر کوئی ایک گھنٹہ فی ہزار میل کی رفتار چاہتا تھا۔ بہرحال اس نئے جھولے کے ڈبے گرنے لگے۔۔۔ہائیڈرالک جنہیں انہیں روکنا تھا، آہستہ آہستہ انہیں نیچے لانے لگے۔ تاہم کسی چیز کی وجہ سے تاریں کٹ گئیں۔ ڈبے ایک دم لٹکنے لگے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں لگ رہا تھا، بہرحال ڈبے گر گئے کیونکہ میں نے انہیں چھوڑنے کا کہہ دیا، میرا مطلب ہے ڈومینیگز، وہ لڑکا جو میرے ساتھ کام کرتا تھا، اسے ڈبے چھوڑنے کو کہہ دیا تھا۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں نے اسے کہہ دیا لیکن پھر میں نے اسے روکنے کی کوشش کی تاہم وہ میری آواز نہ سن سکا۔ یہ ننھی لڑکی وہاں پر ہی بیٹھی تھی۔ میں نے اسے بچانے کی کوشش کی۔ میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے ننھے ہاتھوں کو محسوس کیا، لیکن پھر میں۔۔۔''

اس نے توقف کیا۔ اس نے یوں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو کہ وہ بات جاری رکھے۔ ایڈی نے سانس اندر کھینچا۔

''میں جب سے یہاں آیا ہوں، اس سے زیادہ نہیں بولا۔۔۔'' ایڈی کہنے لگا۔

اس نے سر ہلایا اور مسکرائی۔ ایک مہربان مسکراہٹ، اس کو دیکھ کر ایڈی کی آنکھیں نم ہو گئیں اور اداسی کی ایک تیز لہر اس کے وجود پر چھا گئی۔ ایک دم اسے محسوس ہوا کہ اسکے لیے اب یہ چیز کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، اس کی موت، پارک اور وہ ہجوم جسے وہ پیچھے ہٹنے کا کہہ رہا تھا، اب اس کے لیے بے معنی ہو چکا تھا۔ وہ یہ سب باتیں کیوں کر رہا تھا؟ وہ کیا کر رہا تھا؟ کیا وہ واقعی اس کے ساتھ تھا؟ ایک دم ایک چھپے ہوئے دکھ نے اس کے دل کو گرفت میں لے لیا اور اس کی روح پر پرانے جذبات نے غلبہ پا لیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ وہ ہر اس شے کے بہاؤ میں بہہ گیا جو اس نے کھو دی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی مرحوم بیوی، اس کی جوان بیوی۔ اس کی کھوئی ہوئی بیوی، اس کی واحد بیوی۔۔۔ اور اب وہ مزید نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

''اوہ خدا۔۔۔ مارگریٹ۔۔۔'' وہ سرگوشی میں بولا۔'' آئی ایم سو سوری۔۔۔ آئی ایم سو سوری۔۔۔ میں بتا نہیں سکتا۔۔۔ میں بتا نہیں سکتا۔۔۔ میں بتا نہیں سکتا۔۔۔''

اس نے اپنا سر اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور وہ کہہ دیا جو ہر کوئی کہتا ہے۔

''میں نے تمہیں بہت ہی مس کیا۔''

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

گرمیوں کا موسم ہے۔ ریس ٹریک گاہکوں سے بھرا ہوا ہے۔ عورتوں نے دھوپ سے بچاؤ کے لیے تنکوں والے ہیٹ پہن رکھے ہیں اور مرد سگار پھونک رہے ہیں۔ ایڈی اور نوئل 'ڈیلی ڈبل' میں ایڈی کے برتھ ڈے نمبر 39 پر کھیلنے کے لیے وقت سے پہلے چھٹی کر گئے ہیں۔ وہ پلاسٹک کی فولڈڈ کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ ان کے پیروں کے نیچے کاغذی کپ پڑے ہیں اور زمین پر استعمال شدہ ٹکٹوں کا قالین سا بچھا ہوا ہے۔

اس سے پہلے ایڈی دن کی پہلی ریس جیت چکا ہے۔ اس نے جیتی ہوئی آدھی رقم کو دوسری ریس پر لگا دیا اور وہ بھی جیت گیا۔ یہ اس کی زندگی میں پہلی بار ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس نے 209 ڈالر جیتے ہیں۔ چھوٹی شرطوں میں دو مرتبہ ہارنے کے بعد وہ بچ رہنے والی ساری رقم کو ایک گھوڑے پر لگانا چاہتا ہے کیونکہ ایڈی اور نوئل میں اتفاق ہو چکا ہے جس کے لیے ان کے پاس بہت شاندار دلیل ہے: جب وہ ہاں پر آئے تھے تو ان کے پاس نہ ہونے کے برابر رقم تھی، تو اگر وہ ویسے ہی واپس چلے جائیں تو کون سا قیامت آ جائے گی؟

''ذرا سوچو، اگر تم جیت گئے تو۔۔۔'' نوئل کہتا ہے۔ ''تو تم بچے کے لیے یہ ڈھیر ساری چیزیں لے جا سکو گے۔''

گھنٹی بجتی ہے۔ گھوڑے دوڑتے ہیں۔ گھوڑوں کا وہ گروہ اپنی چمک دار ریشمی شالوں کے ساتھ تیزی کے ساتھ اچھلتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ ایڈی کا نمبر آٹھ ہے۔ یہ جرسی فنچ نامی گھوڑا ہے جو اگرچہ خراب جو انہیں ہے لیکن جیسا کہ نوئل نے ایڈی سے اس 'بچے' کے بارے میں کہا تھا' جسے ایڈی اور مارگریٹ گود لینے کی تیاری کر رہے تھے، ایک دم اسے احساس گناہ نے بھر دیا۔ وہ اس رقم کو استعمال کر سکتے تھے۔ وہ ایسی حرکتیں کیوں کرتا تھا؟

مجمع کھڑا ہوتا ہے۔ گھوڑے تیزی سے فنش لائن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گھوڑا جرسی فنج گروہ میں سے نکلتا ہے اور برق رفتاری سے آگے نکلنے لگتا ہے۔ وہ خوشی سے چلاتے ہیں اور باجے بجاتے ہیں۔ ایڈی آگے کی طرف جھکتا چلا جاتا ہے۔ نوئل اپنے ہاتھ میں موجود ٹکٹ کو دباتا چلا جاتا ہے۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی نروس دکھائی دیتا ہے۔ اس کی جلد میں سنسنی بڑھ جاتی ہے۔ ایک گھوڑا سب سے آگے نکل جاتا ہے۔

جرسی فنج!

اب ایڈی کے پاس لگ بھگ آٹھ سو ڈالر ہیں۔

''میں گھر کال کرتا ہوں۔'' ایڈی خوشی سے کہتا ہے۔

''تم بڑی غلطی کرو گے۔'' نوئل جواب دیتا ہے۔

''کیا مطلب؟''

''تم کسی کو بتاؤ گے تو تمہاری قسمت خراب ہو جائے گی۔''

''تم احمق ہو۔''

''ایسا مت کرو۔''

''میں اسے فون کرتا ہوں۔ وہ خوش ہوگی۔''

''وہ اس سے خوش نہیں ہوگی۔''

ایڈی لنگڑاتا ہوا پے فون کی طرف بڑھتا ہے اور اس میں سکہ ڈالتا ہے۔ مارگریٹ جواب دیتی ہے۔ ایڈی اسے خبر سناتا ہے۔ نوئل نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ خوش نہیں ہوتی۔ وہ کہتی ہے کہ وہ گھر پہنچے۔ وہ اسے کہتا ہے کہ وہ اسے مت بتائے کہ اسے کیا کرنا ہے۔

''ہمارے گھر بچہ آرہا ہے۔'' وہ اسے ڈانٹتی ہے۔ ''تمہیں اس قسم کی حرکتیں چھوڑ دینی چاہئیں۔''

ایڈی شرمندگی اور غصے کے ساتھ فون رکھ دیتا ہے۔ وہ نوئل کے پاس آتا ہے جو جنگلے کے ساتھ کھڑا مونگ پھلیاں کھا رہا ہے۔

''مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔'' نوئل کہتا ہے۔

وہ کھڑکی کی طرف جاتے ہیں اور ایک اور گھوڑا چنتے ہیں۔ ایڈی اپنی جیب سے پیسے نکالتا ہے۔ وہ اس دفعہ کھیلتے ہوئے شش و پنج میں مبتلا ہے۔ ایک جانب اسے لگتا ہے کہ وہ اب نہیں جیتے گا اور ایک

جانب وہ چاہتا ہے کہ اتنے زیادہ پیسے اور جیت لے کہ فخر سے گھر جائے اور پیسے بیوی کی جھولی میں ڈال کر اسے کہے کہ وہ بچے کے لیے جو بھی خریدنا چاہتی ہے، خرید لے۔

نوئل اسے ونڈو سے نوٹ ڈالتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

''مجھے پتہ ہے، مجھے پتہ ہے۔'' ایڈی کہے جا رہا ہے۔

لیکن جس چیز کا اسے پتہ نہیں، وہ یہ ہے کہ مارگریٹ اُسے کال بیک نہیں کر سکتی اور ٹریک پر جا کر اسے تلاش کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ وہ شدت سے چاہتی ہے کہ اسے چیخ کر بتائے کہ یہ ایڈی کی سالگرہ کا دن ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ وہ اس سے معذرت کرے۔ وہ اسے روکنا بھی چاہتی ہے۔ وہ کئی دن پہلے سے جانتی ہے کہ نوئل اصرار کرے گا کہ وہ کلوزنگ تک وہاں رہیں۔ نوئل ایسا ہی ہے۔ چونکہ ٹریک صرف دس منٹ کی دوری پر ہے اس لیے وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتی ہے اور اپنی پرانی ''نیش ریمبلر'' پہ اوشن پارک وے کی جانب جاتی ہے۔ وہ سیدھی لیسٹر سٹریٹ کی طرف مڑتی ہے۔ سورج ڈوب چکا ہے اور آسمان پر تارے نکلنے لگے ہیں۔ زیادہ تر گاڑیاں دوسری طرف سے آ رہی ہیں۔ وہ لیسٹر سٹریٹ کے اوور پاس کی طرف سے جاتی ہے۔ لیسٹر پاس وہ راستہ ہے جہاں سے گاہک ٹریک پر جاتے یعنی وہ سیڑھیاں چڑھتے، سڑک پار کرتے اور پھر سیڑھیاں اترتے، حتیٰ کہ ٹریک کے مالکان نے شہر کی انتظامیہ کو ٹریفک لائٹ کے لیے ادائیگی کی جس کے نتیجے میں اوور پاس زیادہ تر ویران رہنے لگا ہے۔

لیکن اس روز یہ پاس ویران نہیں۔ اس روز اس پر دو نوعمر نوجوان موجود ہیں جو وہاں چھپ کر لوگوں کی نظروں سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ نوجوان سترہ سال کی عمر کے ہیں جو ایک شراب خانے سے چند گھنٹوں پہلے سگریٹوں کے چار ڈبے اور اولڈ ہار پر شراب کی تین چھوٹی بوتلیں چوری کر کے بھاگے ہیں۔ اب ساری شراب چڑھانے اور بہت سی سگریٹیں پینے کے بعد وہ چڑھتی ہوئی شام سے بیزاری کا شکار ہیں اور پاس کے جنگلے سے بوتلوں کو رگڑ کر عجیب و غریب حرکتیں کر رہے ہیں۔ وہ بوتلوں کو آپس میں ٹکرا کر آوازیں بھی پیدا کر رہے ہیں۔

''چلو میں کرتا ہوں۔'' ایک کہتا ہے۔

''چلو کرو۔'' دوسرا کہتا ہے۔

پہلا بوتل کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے اور پھر دونوں ایک دم نیچے جھک کر اسے دیکھنے لگتے ہیں۔ بوتل ایک گاڑی سے ٹکرانے سے بال بال بچتی ہے اور سڑک سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔

''ہوہو۔۔۔'' دوسرا چلاتا ہے۔ ''تم نے دیکھا؟''

''اب اپنی بوتل گراؤ، للو۔''

دوسرا بھی اپنی بوتل کے ساتھ جنگلے کے قریب آتا ہے اور بوتل کو ہاتھ میں لٹکا کر دائیں لین سے آنے والی کم ٹریفک کو چنتا ہے۔ وہ بوتل کو آگے پیچھے کرتا ہے جیسے نشانہ باندھ رہا ہو اور گاڑیوں کے قریب آنے کا انتظار کر رہا ہو، ایسے جیسے یہ فن ہو اور وہ کوئی فن کار ہوں۔

پھر وہ بوتل چھوڑ دیتا ہے اور مسکرانے لگتا ہے۔

اوور پاس سے چوالیس فٹ نیچے مارگریٹ کے وہم وگمان میں بھی نہیں کہ اسے سامنے دیکھنے کے بجائے اوپر دیکھنا ہے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں کہ اوور پاس پر کیا ہو رہا ہے۔ اس کے ذہن میں ایڈی، جس کے پاس کھیلنے کے لیے ابھی پیسے باقی ہیں، کو ریس ٹریک سے بلانے کے سوا کوئی خیال نہیں۔ وہ سوچ رہی ہے کہ ایڈی نجانے ٹریک پر کس مقام پر ہوگا جب شراب کی بوتل ایک دھاکے کے ساتھ اس کی گاڑی کی ونڈ سکرین سے ٹکراتی ہے اور سکرین کرچی کرچی ہو کر اس پر گرتی ہے۔ اس کی گاڑی جھولتے ہوئے کنکریٹ کے ڈیوائیڈر سے ٹکراتی ہے۔ گاڑی میں اس کا جسم ایک گڑیا کی طرح اچھلتا ہے اور دروازے سے ٹکراتا ہوا ڈیش بورڈ اور سٹیرنگ وہیل سے ٹکراتا ہے۔ اس کا جگر شدید مجروح ہو جاتا ہے۔ ہاتھ ٹوٹ جاتا ہے اور سر اس قدر زور سے ٹکراتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس سے اٹھنے والے شام کے شور کو سننے سے محروم ہو جاتی ہے۔ اسے کاروں کے چیخنے کی آواز نہیں آتی۔ اسے گاڑیوں کے ہارن سنائی نہیں دیتے۔ اسے ربڑ سول کے ان جوتوں کی آواز سنائی نہیں دیتی جو اوور پاس پر دوڑنے سے اٹھ رہی ہے اور شام کی خاموشی اور تاریکی میں غائب ہو رہی ہے۔

محبت اور بارش

محبت بارش کی طرح آسمانوں سے نشوونما پاتی ہے اور جوڑوں کو سرشاری کے پانی میں بھگو دیتی ہے۔ لیکن بعض اوقات زندگی کی سخت دھوپ کے سائے میں محبت زمین کی سطح پر آکر خشک ہو جاتی ہے اور پھر اسے نیچے سے نشوونما حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اسے اپنی جڑیں بنانی ہوتی ہیں اور خود کو زندہ رکھنا ہوتا ہے۔

لیسٹر سٹریٹ پر ہونے والے حادثے کے نتیجے میں مارگریٹ کو ہسپتال داخل کرایا گیا۔ وہ اگلے چھ ماہ تک بستر تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کا زخمی جگر تو دھیرے دھیرے ٹھیک ہو گیا تاہم اس پر اتنا خرچ آ گیا کہ وہ بچہ گود لینے سے محروم ہو گئے۔ بچہ کسی اور کو دیدیا گیا۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ اس کا الزام کسے دیا جائے۔ کبھی یہ الزام شوہر پر آتا تو کبھی بیوی اس کا شکار ٹھہرتی۔ مارگریٹ اس کے بعد طویل عرصہ خاموش رہی۔ ایڈی نے خود کو کام میں مصروف کر لیا۔ اس الزام کے سائے کو ان کی میز پر جگہ ملی اور وہ اس کے سائے میں ہی کھانا کھاتے جب چمچوں اور کانٹوں کی کھنک کے سوا کوئی آواز نہ ہوتی۔ وہ جب کوئی بات کرتے تو تب بھی، چھوٹی چھوٹی باتوں کے سوا کچھ نہ کہتے۔ اس کی محبت کا پانی جڑوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایڈی نے دوبارہ گھوڑوں پر ریس نہیں لگائی۔ اس کا نوئل سے ملنا جلنا ختم ہو گیا۔ اب ان میں سوائے ناشتے کے کسی موضوع پر بات نہ ہوتی اور نہ ہی وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

کیلی فورنیا میں ایک تفریحی پارک نے پہلے ٹیوبلر سٹیل کے ٹریک یعنی فولادی ٹریک متعارف کرائے۔ یہ ٹریک مختلف زاویوں پر مڑ سکتے تھے جو کہ لکڑی والے ٹریکوں کے لیے ممکن نہ تھا اور اس طرح اچانک وہ رولر کوسٹر جو غائب ہوتے جا رہے تھے، ایک دم دوبارہ زندہ ہو گئے۔ روبی پارک کے مالک مسٹر بل اوک نے اپنے پارک کے لیے فولادی ٹریک کے آرڈر دے رکھے تھے اور ایڈی ہی ان کی تعمیر کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ اسے لگانے والے ورکروں کو ہدایات دیتا اور ہر حرکت کو چیک کرتا۔ وہ

اس قدر تیز شے پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔ساٹھ ڈگری کا زاویہ؟ اسے یقین تھا کہ اس سے کوئی زخمی ہو جائے گا۔ بہرحال اس کام میں مصروف ہونے سے اس کا دھیان بٹ گیا۔

جھولے 'سٹارڈسٹ بینڈشیل' کو ختم کر دیا گیا۔'زپر' جھولے اور'ٹنل آف لو' کا بھی یہی حال ہوا جس سے اب بچوں کا دل بھر گیا تھا۔ کچھ سال بعد ایک نیا کشتی جھولا متعارف کرایا گیا جسے 'لاگ فلوم' کا نام دیا گیا اور ایڈی اس وقت حیران رہ گیا جب یہ بہت مقبول ہوا۔ اس جھولے میں لوگ ایک مقام سے کشتی میں تیرتے ہوئے آتے اور آخر میں دھڑام سے پانی کے ایک تالاب میں آکر گرتے۔ ایڈی کی سمجھ سے باہر تھا کہ لوگوں کو اس طرح گیلا ہونے میں کیا مزا آتا تھا جبکہ سمندر صرف تین سو میٹر کی دوری پر تھا۔لیکن اس نے اس جھولے کا بھی پوری طرح سے خیال رکھا اور پانی میں ننگے پاؤں کام کرتے ہوئے اس کے ٹریک کی دیکھ بھال کرتا رہا تا کہ کشتیاں اس ٹریک پر دوڑتے ہوئے کبھی کسی ناخوشگوار واقعے سے دوچار نہ ہوں۔

اسی دوران میاں بیوی میں بات چیت دوبارہ شروع ہوگئی حتیٰ کہ ایک رات ایڈی نے بچہ گود لینے کا خیال ظاہر کر دیا۔ مارگریٹ نے اپنا ماتھا کھجایا اور بولی۔''ہم اب خاصے بوڑھے ہو چکے ہیں۔''

''بوڑھے ہونے سے بچے کو کیا فرق پڑتا ہے؟'' ایڈی نے پوچھا۔

کئی سال گذر گئے لیکن وہ بچہ گود نہ لے سکے تاہم ان کا زخم بھر گیا اور وہ کوئی بچہ گود لینے کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے بجائے ایک دوسرے میں مصروف ہو گئے۔ مارگریٹ ایڈی کو صبح کا ناشتہ بنا کر دیتی اور ایڈی اسے اس کی صفائی کی جاب پر چھوڑ کر آتا اور وہاں سے واپس لاتا۔ بعض اوقات وہ دوپہر کے وقت خود ہی واپس آجاتی اور اس کے ساتھ بورڈ واک پر جاتی۔ وہ اسے جھولوں کو چیک کرتے دیکھتی اور غور کرتی کہ وہ کس طرح جھولوں کی مرمت و خیال رکھنے کا کام کرتا تھا۔ ایڈی اسے روٹرز اور کیبلز کے بارے میں سمجھاتا اور انجنوں کی آواز سنتا۔

جولائی کی ایک شام دونوں نے خود کو ساحل کے ساتھ چہل قدمی کرتے پایا۔ وہ انگور کھا رہے تھے اور ان کے ننگے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے۔ انہوں نے اپنے آس پاس دیکھا تو انہیں پتہ چلا کہ وہ وہاں پر سب سے بوڑھا جوڑا تھے۔

مارگریٹ نے وہاں مختصر لباسوں اور بکنی میں ملبوس نوجوان لڑکیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس میں تو اتنی ہمت نہیں کہ اس طرح کا نیم عریاں لباس یا بکنی پہن سکے۔

ایڈی نے کہا کہ لڑکیاں خوش قسمت ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا لباس پہن لیتی تو وہاں پر موجود مرد اس کے سوا کسی کو نہ دیکھتے۔ ایڈی نے جب یہ کہا تو مارگریٹ، جو چالیس کے پیٹے میں تھی اور جس کے کولہے بہت بھاری ہو چکے تھے اور آنکھوں کے گرد ننھی ننھی جھریاں نمودار ہو رہی تھیں، نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی متاثرہ ناک اور چوڑے جبڑوں کو دیکھا۔ ان کی محبت کا پانی آسمان سے دوبارہ گرنے لگا تھا اور اس نے انہیں اسی طرح تربتر کر دیا تھا جیسے ساحل کا پانی ان کے پیروں کو بھگو رہا تھا۔

تین سال بعد مارگریٹ اپنے اپارٹمنٹ کے کچن میں چکن کٹلٹس بنا رہی تھی۔ ایڈی کی ماں کے انتقال کے بعد انہوں نے کئی سالوں سے اس اپارٹمنٹ کو سنبھال رکھا تھا اور اسے چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ مارگریٹ کا کہنا تھا کہ اس اپارٹمنٹ کو دیکھ کر اسے اپنا اور ایڈی کا بچپن یاد آتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے باہر دیکھنا بھی پسند کرتی تھی۔ وہ کچن میں مصروف تھی کہ اچانک اس کے دائیں ہاتھ کی مٹھی خود بخود کھل گئی۔ اس کی انگلیاں خود بخود آگے پیچھے ہونے لگیں۔ مٹھی بند نہیں ہو رہی تھی۔ چکن کٹلٹس اس کی مٹھی سے نکل کر سنک میں جا گرا۔ اس کے بازو تھرتھرائے۔ اس کی سانس تیز ہوگئی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اپنے اس ہاتھ کی جانب دیکھا جن کی انگلیاں یوں لگ رہا تھا جیسے جام ہوگئی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے یہ انگلیاں کسی اور کی ہوں، جیسے ان انگلیوں نے کسی ان دیکھی شے کو جکڑ رکھا ہو۔

اس کے بعد اندھیر چھا گیا۔

''ایڈی؟'' اس کے منہ سے نکلا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ایڈی پہنچتا وہ زمین پر گر پڑی۔

ڈاکٹروں کی تشخیص سے پتہ چلا کہ اس کے دماغ میں ٹیومر تھا اور اس کا انجام کینسر کے بہت سے مریضوں کی طرح ہی تھا۔ یعنی علاج کے ذریعے اس کی بیماری کو بظاہر کم کر دیا گیا۔ بال جگہ جگہ سے جھڑ گئے۔ صبحیں شور مچاتی ریڈی ایشن مشینوں کے سامنے جبکہ شامیں غسل خانے میں قے کرتے گذرنے لگیں۔

آخری ایام، جب کینسر مکمل طور پر جسم پر قابض ہو جاتا ہے، میں ڈاکٹر اسے بس اتنا کہتے، 'آرام کیجیے، سب ٹھیک ہو جائے گا' یا وہ اسے حوصلہ قائم رکھنے کا کہتے۔ وہ جب کوئی سوال پوچھتی تو وہ

ہمدردی سے سر ہلانے کے سوا کچھ نہ کہتے جیسے سر ہلانا بھی کوئی دوا ہے جسے ڈراپر کے ذریعے اس کے حلق میں ٹپکایا جارہا ہو۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر محض اس کا احترام کررہے تھے اور اپنی بے بسی کے اظہار کے لیے ان کا یہی طریقہ ہے۔ جب ان میں سے کسی نے اسے مشورہ دیا کہ ''وہ اپنے معاملات کو درست کر لے۔'' تو اس نے ہسپتال سے فارغ کرنے کے بارے میں پوچھا۔

ایڈی نے سیڑھیاں چڑھنے میں اس کی مدد کی اور اس کے کوٹ کو ہینگر سے ٹانگا تو مارگریٹ نے ایک نظر اپارٹمنٹ پر دوڑائی۔ وہ کچھ پکانا چاہتی تھی لیکن ایڈی نے اسے بٹھا دیا اور چائے کے لیے پانی گرم کیا۔ ایک روز قبل اس نے بکرے کی چانپیں خریدی تھیں۔ اس روز اس نے ایک دعوت کی اور سب دوستوں اور پارک کے کارکنوں کو اس میں مدعو کیا۔ زیادہ تر نے مارگریٹ کو مبارک باد اور وہی لگے بندھے جملے ایک دوسرے سے کہے جیسے ''دیکھو تو کون آیا ہے!!!'' جیسے یہ کوئی الوداعی پارٹی نہیں بلکہ استقبالیہ یا سالگرہ کی تقریب ہو۔

انہوں نے کارننگ وئیر کی ڈشوں سے آلوؤں سے بنا پکوان کھایا اور میٹھے میں بٹر سکاچ براؤنیز سے لطف اندوز ہوئے اور جب مارگریٹ نے وائن کا دوسرا گلاس ختم کیا تو ایڈی بوتل لایا اور اُسے تیسرا گلاس دیا۔

دوروز بعد وہ ایک چیخ مار کر جاگی۔ وہ اسے صبح منہ اندھیرے ہسپتال لے کر پہنچا۔ وہ مختصر جملوں میں باتیں کررہے تھے کہ کون ساڈاکٹر ہوگا اور انہیں کسے کسے اطلاع کرنی چاہیے۔ اگرچہ وہ اس کے بالکل ساتھ نشست پر بیٹھی تھی لیکن ایڈی اسے ہر جگہ محسوس کررہا تھا۔ وہ اسے سٹیرنگ وہیل میں، گیس پیڈل میں اور اپنے آنکھوں کی جھپک میں بھی محسوس کررہا تھا۔ وہ اسے اپنے وجود میں بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ جدھر بھی دیکھتا اسے وہی دکھائی دیتی۔ دل میں عجیب وغریب اور پریشان کن وسوسے سر اٹھارہے تھے۔

وہ 47 کی تھی۔

''کیا تمہارے پاس کارڈ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کارڈ؟'' اس نے خالی خالی انداز میں پوچھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے دوبارہ بات کی تو اس کی آواز بہت باریک تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت مشکل سے بول پارہی تھی۔

''میں انشورنس کارڈ کی بات کر رہی ہوں؟''

''ہاں ہاں۔۔۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے کارڈ مل گیا تھا۔''

انہوں نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی اور انجن بند کر دیا۔ ایک دم ہر طرف خاموش اور جمود تھا۔ اسے ہلکی سے ہلکی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے جسم اور نشست کی چرچراہٹ سن سکتا تھا، دروازے کے ہینڈل کی چوں چوں بھی سنائی دے رہی تھی۔ باہر چلتی ہلکی ہلکی ہوا، سنگی راستے پر جوتوں کی آواز اور چابیوں کی چھنک بھی سنائی دے رہی تھی۔

اس نے مارگریٹ کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے باہر آنے میں مدد دی۔ مارگریٹ کے شانے سکڑ کر اس کے جبڑے کے قریب ہو چکے تھے جیسے کوئی خوف زدہ بچہ ہو۔ اس کے بال اس کے چہرے کے قریب لہرائے۔ اس نے بمشکل سانس لیا اور افق کی جانب آنکھیں اٹھائیں۔ وہ ایڈی کی جانب مڑی اور سر کے اشارے سے دور اسے ایک بڑے اور سفید رنگ کے جھولے کو دیکھنے کا اشارہ کیا جس کے سفید چمکدار ڈبے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی درخت سے لٹکتے گھونسلے ہوں۔

''کیا تمہیں یہاں سے دکھائی دے رہا ہے؟'' وہ بولی۔

''آسمانی جھولا؟'' اس نے پوچھا۔

''گھر۔'' اس نے دور دیکھتے ہوئے کہا۔

چونکہ ایڈی ابھی تک جنت میں سویا نہیں تھا اس لیے اس کا خیال تھا کہ اس نے وہاں پر اتنے سارے افراد سے ملاقات کے باوجود دو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں گذارے تھے۔ لیکن پھر دن اور رات کے بغیر، سوئے یا جاگے بغیر، غروب آفتاب اور اونچی لہروں کے بغیر، کھانے پینے یا کسی نظام الاوقات کے بغیر اسے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟

اس کی صرف ایک خواہش تھی کہ اسے مارگریٹ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے کا موقع ملے جو اسے مل گیا۔ اس نے اس کے ساتھ رات گذاری، دن گذارا اور پھر رات گذاری۔ وہ مختلف دروازوں سے گذرتے ہوئے شادی کی تقریبات میں داخل ہوئے اور ہر وہ بات کی جو وہ کرنا چاہتے تھے۔ سویڈش شادی میں ایڈی نے اسے اپنے بھائی جو کے بارے میں بتایا جو دس سال پہلے فلوریڈا میں ہارٹ اٹیک کے باعث انتقال کر گیا تھا اور سب کو اداس کر گیا تھا۔ روسی شادی میں

مارگریٹ نے پوچھا کہ کیا اس نے پرانے اپارٹمنٹ کو اپنے پاس رکھا تھا جس کا جواب ایڈی نے اثبات میں دیا۔ مارگریٹ نے اس کے اثبات پر خوشی کا اظہار کیا۔ لبنانی گاؤں میں ہونے والی شادی کی تقریب میں اس نے مارگریٹ کو سب کچھ بتایا کہ جنت میں آنے کے بعد اس کے ساتھ کیا کیا ہوا تھا اور یوں لگا کہ مارگریٹ نہ صرف سن رہی تھی بلکہ سب کچھ جانتی بھی تھی۔ اس نے اسے نیلے آدمی اور اس کی کہانی کے بارے میں بتایا اور اسے بتایا کہ کس طرح کچھ لوگ مرتے ہیں تو کچھ لوگ زندہ رہتے ہیں۔ اس نے اسے کیپٹن اور اس کی کہانی کے بارے میں بتایا۔ جب اس نے مارگریٹ کو اپنے باپ کے بارے میں بتایا تو مارگریٹ کو یاد آیا کہ اس کا سسر ایڈی کے ساتھ کیسے ناراض تھا اور کیسے اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ایڈی نے اسے بتایا کہ اس نے سب کچھ ٹھیک کر لیا تھا جس پر مارگریٹ نے نظریں اٹھائیں اور اس کے ہونٹ پھیل گئے اور مدتوں کے بعد ایڈی کو وہ پرانا اور گرم جوش احساس ہوا جو اسے اپنی بیوی کو خوش کرنے پر ہوا کرتا تھا۔

ایک رات اس نے اسے روبی پارک میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں بتایا کہ کس طرح وہاں پر پرانے جھولوں اور پرانی چیزوں کو ختم کر دیا گیا تھا۔ کس طرح پینی وہسل میوزک کی جگہ اب وہاں راک اینڈ رول بجتا تھا اور کس طرح جدید رولر کوسٹر آ گئے تھے جو بجلی کی رفتار سے مڑتے تھے اور کس طرح ان کے ڈبے ٹریکوں سے لٹکے ہوتے تھے اور کس طرح وہ اندھیرے جھولے جن میں کاؤبوائز کی چمکتی ہوئی تصاویر دکھائی دیتی تھیں، وہاں پر اب بڑی بڑی ویڈیو سکرینیں لگ چکی تھیں جیسے آپ چوبیس گھنٹے ٹی وی چلتے دیکھ رہے ہوں۔

اس نے اسے نئے ناموں کے بارے میں بتایا۔ اب وہاں ''ڈیپرز'' اور ''ٹمبل بگز'' نہیں تھے بلکہ ان کی جگہ ''بلزرڈ''، ''مائنڈ بینڈر''، ''ٹاپ گن'' اور ''ویرٹوکس'' تھے۔

''کیا یہ عجیب نہیں لگتا؟'' ایڈی نے کہا۔

''ہاں، یوں لگتا ہے جیسے یہ کسی اور کی گرمیاں ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

ایڈی جان گیا تھا کہ وہ کئی سالوں سے ٹھیک کیا محسوس کر رہا تھا۔

''مجھے کہیں اور کام کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے اسے بتایا۔ ''لیکن افسوس میں خود کو وہاں سے نہ نکال پایا۔ میری ٹانگ، میرے ڈیڈی، ہر چیز میری راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ جنگ کے بعد میری

ٹانگ تو ایک مسئلہ بن چکی تھی۔''

اس نے مارگریٹ کے چہرے پر اداسی کی ایک لہر دیکھی۔

''جنگ میں کیا ہوا تھا؟'' مارگریٹ نے پوچھا۔

اس نے اسے کبھی اس کے بارے میں مکمل طور پر نہیں بتایا تھا۔فوجی اس زمانے میں وہی کچھ کرتے تھے جو انہیں کرنا ہوتا تھا اور وہ جب واپس آتے تھے تو کسی کو اس کے بارے میں نہیں بتاتے تھے۔اس نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا جنہیں اس نے ہلاک کیا تھا،اس نے گارڈز کے بارے میں سوچا۔اس نے اپنے ہاتھوں پر لگے خون کے دھبوں کے بارے میں سوچا۔وہ حیران تھا کہ کبھی اسے معافی بھی مل سکے گی یا نہیں۔

''میں نے خود کو کھو دیا تھا۔'' وہ بولا۔

''نہیں۔'' اس کی بیوی نے کہا۔

''ہاں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

کئی مرتبہ وہ دونوں جنت میں ایک ساتھ لیٹ جاتے۔لیکن وہ سوتے نہیں تھے۔زمین پر مارگریٹ کہا کرتی تھی کہ جب ہم لوگ سوتے ہیں تو بعض اوقات ہمیں خواب میں جنت دکھائی دیتی ہے اور یہی خواب جنت کو تشکیل دینے میں بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔لیکن اب ایسے خوابوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔وہ پہلے ہی جنت میں تھے۔

اس کے بجائے ایڈی اس کے شانے تھام لیتا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا اور گہرے و لمبے سانس لیتا۔ایک مرتبہ اس نے مارگریٹ سے پوچھا کہ کیا خدا کو اس بات کا علم ہے کہ وہ وہاں پر ہے۔

''یقیناً،'' مارگریٹ کا جواب تھا۔

مارگریٹ نے اسے یہ جواب دیا حالانکہ ایڈی نے اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے کئی سال خدا کی نافرمانی اور گمراہی میں گذارے تھے اور باقی زندگی وہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا۔

چوتھا سبق

آخر کافی دیر باتیں کرنے کے بعد مارگریٹ ایڈی کو ایک اور دروازے سے لیکر گذری۔ وہ دوبارہ اس چھوٹے گول کمرے میں تھے۔ وہ سٹول پر بیٹھ گئی اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال لیں۔ وہ آئینے کی طرف مڑی تو ایڈی نے اس کا عکس اس میں دیکھا۔ لیکن ایڈی کا اپنا عکس نہ تھا۔

''دلہن یہاں پر انتظار کرتی ہے۔'' وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ وہ غور سے آئینے میں اپنے عکس کو بھی دیکھ رہی تھی۔ ''یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب آپ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ انتخاب کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کس سے پیار کریں گے۔ اگر ایسا ہی ہے ایڈی، تو یہ ایک زبردست لمحہ بن سکتا ہے۔''

وہ اس کی جانب مڑی۔

''تمہیں ایک طویل عرصہ محبت کے بغیر رہنا پڑا۔ ایسا ہی ہے ناں؟''

ایڈی کچھ نہ بولا۔

''تمہیں لگا کہ تم سے کچھ چھین لیا گیا ہے۔ یہ کہ میں نے تمہیں بہت جلد چھوڑ دیا۔''

ایڈی نے سر جھکایا۔ مارگریٹ کا لیونڈر ڈریس اس کے سامنے پھیل گیا۔

''تم واقعی بہت جلد چلی گئیں۔'' اس نے کہا۔

''تم مجھ سے ناراض تھے۔''

''نہیں تو۔۔۔''

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

''اچھا، ٹھیک ہے۔''

''ہر چیز کی ایک وجہ ہوتی ہے۔''

''کیا وجہ؟'' ایڈی نے پوچھا۔'' آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ تمہارا انتقال ہو گیا۔تم صرف سینتالیس سال کی تھیں۔تم میری زندگی کی بہترین ہستی تھیں۔ پھر تم انتقال کر گئیں اور میں ہر شے سے محروم ہو گیا۔ تم ہر شے سے محروم ہو گئیں۔میں اس واحد عورت سے محروم ہو گیا جس سے میں نے پیار کیا تھا۔''

اس نے ایڈی کا ہاتھ تھام لیا۔''نہیں، ایسا نہیں ہے۔میں یہاں موجود ہوں۔اور تم مجھے پیار بھی کرتے ہو۔''

''کھویا ہوا پیار بھی پیار ہی ہوتا ہے، ایڈی۔بس یہ ایک نیا روپ دھار لیتا ہے۔تب تم اس کی مسکراہٹ کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی اسے کھانا کھلا سکتے ہو یا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر سکتے ہو۔تم اسے لیکر رقص بھی نہیں کر سکتے۔لیکن جب یہ حسیات کمزور ہو جاتی ہیں تو دوسری مضبوط ہو جاتی ہیں۔یہ یادیں ہوتی ہیں۔یادیں آپ کی ساتھی بن جاتی ہیں۔آپ ان کی نشوونما کرتے ہیں۔آپ ان کو اپنی بانہوں میں تھامتے ہیں اور ان کے ساتھ رقص کرتے ہیں۔''

''زندگی کو ختم ہونا ہوتا ہے۔'' وہ بولی۔''لیکن پیار کو نہیں۔''

ایڈی نے بیوی کی تدفین کے بعد گذرے سالوں کے بارے میں سوچا۔یہ بالکل ایسا تھا جسے وہ کسی باڑھ کے اوپر سے دیکھ رہا تھا۔وہ ایک اور قسم کی زندگی کے بارے میں جان چکا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی اس کا حصہ نہیں بن پائے گا۔

''میں نے کبھی کسی اور کو نہیں چاہا۔'' وہ خاموشی سے بولا۔

''مجھے علم ہے۔'' وہ بولی۔

''مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔'' ایڈی نے کہا۔

''میں جانتی ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔''میں اس کو محسوس کرتی تھی۔''

''یہاں پر؟'' اس نے پوچھا۔

''ہر جگہ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔''اس سے پتہ چلتا ہے کہ کھویا ہوا پیار بھی کس قدر مضبوط ہو سکتا ہے۔''

وہ کھڑی ہوئی اور ایک اور دروازہ کھولا۔ایڈی نے اس کے پیچھے چلتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔یہ ایک نیم روشن کمرہ تھا جہاں فولڈڈ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ایک اکارڈین نواز کونے میں بیٹھا تھا۔

''میں اس کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔'' وہ بولی۔

اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور جنت میں پہلی بار ایڈی نے اس کے ساتھ اپنے تعلق کا آغاز کیا۔ وہ اپنی متاثرہ ٹانگ کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے پاس آیا۔ اس نے رقص، موسیقی اور شادیوں کے ساتھ اپنی تمام منحوس یادوں کو نظرانداز کر دیا اور جان لیا کہ اس کی وجہ صرف اور صرف تنہائی تھی۔

''جو کچھ بھی یاد آتا ہے، وہ ایک بنکو کارڈ ہوتا ہے۔'' مارگریٹ نے سرگوشی کی اور اس کے شانے سے سر ٹکا دیا۔

ایڈی نے دانت نکالے اور اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر دیا۔

''کیا میں تم سے ایک چیز پوچھ سکتا ہوں؟'' وہ بولا۔

''ہاں۔''

''آخر تم بالکل ویسی کس طرح بن گئیں جس طرح شادی کے روز تھیں؟ یہ کیسے ہوا؟''

''بس، میرا خیال تھا کہ تمہیں ایسے اچھا لگے گا۔''

اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ ''کیا تم اب خود کو بدل سکتی ہو؟''

''بدل سکتی ہوں۔۔۔؟'' وہ مسکرائی۔ ''کیا؟''

''خود کو آخری دنوں کے مطابق۔''

اس نے بازو نیچے۔ ''آخری دنوں میں، میں اتنی خوبصورت نہ تھی۔''

''کیا تم بدل سکتی ہو؟''

اس نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر اس کی بانہوں میں آئی۔ اکارڈین ساز ان کی مانوس دھنیں بجانے لگا۔ وہ اس کے کانوں میں گنگنانے لگی اور وہ دونوں ایک ساتھ موسیقی کی لے کے ساتھ رقص کے انداز میں حرکت کرنے لگے۔ اس رقص میں ایک ایسا ردھم تھا جو میاں بیوی کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔

تم نے مجھے اپنا عاشق بنایا
تم نے مجھے اپنا عاشق بنایا
میں پیار نہیں کرنا چاہتا تھا
میں پیار نہیں کرنا چاہتا تھا

تم نے مجھے اپنا عاشق بنایا

اور تم کو سب پتہ تھا

اور تم کو سب پتہ تھا

اس نے جب سر اٹھا کر اسے دوبارہ دیکھا تو وہ ایک بار پھر 47 کی ہو چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد جھریوں کے آثار، بال بہت باریک، ٹھوری کے نیچے لٹکتی ہوئی جلد۔ ایڈی اور مارگریٹ دونوں مسکرائے۔ وہ اس کے لیے ہمیشہ کی طرح خوبصورت تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پہلی بار اسے اس لمحے پر ہونے والے احساس کے بارے میں بتایا جب اس نے اسے دوبارہ دیکھا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ وقت تھم جائے۔ میں یہاں پر ہی رہنا چاہتا ہوں۔''

اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے بازو اسی طرح تھے جیسے اس نے اسے بانہوں میں لے رکھا ہو۔ لیکن وہ نہیں تھی۔ ہر شے غائب ہو چکی تھی۔

جمعہ، سہ پہر سوا تین بجے

ڈومینیگز نے لفٹ کا بٹن دبایا تو اس کا دروازہ ایک گھڑ گھڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گیا۔ دروازے کی جھریاں ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں اور لفٹ اوپر کی طرف چڑھنے لگی اور گدلے شیشے سے لابی غائب ہوتی دکھائی دینے لگی۔

''یقین نہیں آتا کہ یہ لفٹ ابھی تک کام کر رہی ہے۔'' ڈومینیگز حیرانی سے بولا۔ ''یہ تو پچھلی صدی کا کباڑ معلوم ہوتی ہے۔''

اس کے ساتھ موجود شخص جو جائیدادوں کے حوالے سے کام کرنیوالا وکیل تھے، نے دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس نے اپنا ہیٹ اتار دیا جو میلا تھا۔ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے لفٹ میں پیتل کے چوکھٹے میں نمبروں کو تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ اس کی دن کی تیسری ملاقات تھی اور چوتھی ملاقات کے بعد وہ اپنے گھر جا سکتا تھا۔

''ایڈی کے پاس اتنا کچھ نہیں تھا'' ڈومینیگز بولا۔

''ام۔۔۔ ہونہہ۔۔۔'' اس آدمی کے منہ سے نکلا۔ وہ رومال سے ماتھے پر سے پسینہ صاف کرنے لگا۔ ''پھر تو اس کام میں زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے۔''

لفٹ ایک مقام پر جھٹکے سے رک گئی اور گھڑ گھڑاہٹ کے ساتھ اس کا دروازہ کھلا۔ وہ سکس بی پر پہنچ چکے تھے۔ عمارت کے فرش پر آج بھی انیس سو ساٹھ کی دہائی کی سفید اور سیاہ ٹائلیں تھیں اور وہاں پر کھانے پینے کی پکتی ہوئی اشیاء جیسے ادرک اور تلے ہوئے آلوؤں کی خوشبو آ رہی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے چابیاں ان کے حوالے کیں اور ساتھ ہی ایک ڈیڈ لائن بھی دی جو اگلا بدھ تھی تاکہ اپارٹمنٹ کو کسی نئے کرائے دار کے لیے صاف کرایا جائے۔

''واؤ۔۔۔'' ڈومینیگز نے کمرے کا دروازہ کھولتے اور کچن میں داخل ہوتے ہوئے نعرہ لگایا۔

''ایک بوڑھے آدمی کے لحاظ سے تو یہ بہت صاف ستھرا دکھائی دیتا ہے۔''

اپارٹمنٹ کا سنک بالکل صاف تھا۔ کاؤنٹر کا پونچھا لگا ہوا تھا۔ خدا جانے !اس نے سوچا۔ اس کا اپنا اپارٹمنٹ تو اتنا صاف نہیں تھا۔

''کوئی مالی دستاویزات؟'' آدمی نے پوچھا۔ ''کوئی بینک سٹیٹمنٹ؟ زیورات وغیرہ؟''

ڈومینگز نے ایڈی کے زیورات پہننے کے بارے میں سوچا اور اس کی ہنسی نکل گئی۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ وہ اس کی کس قدر کمی محسوس کرتا تھا۔ ورکروں پر برسنے اور احکامات دینے کے لیے اور اور ہر شے کو ایک ماں کی عقابی نگاہ سے دیکھنے کے لیے اس کا پارک میں نہ ہونا سب بڑا عجیب لگتا تھا۔ انہوں نے ابھی تک اس کے لاکر تک کی صفائی نہیں کی تھی۔ کسی میں حوصلہ نہیں تھا۔ اس کے سارے سامان کو دکان پر یوں چھوڑ دیا گیا تھا جیسے وہ کل پرسوں واپس آجائے گا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ آپ نے بیڈروم میں تلاش کیا؟''

''تمہارا مطلب درازوں وغیرہ میں؟''

''ہاں ہاں، تم جانتے ہو کہ میں یہاں پر صرف ایک مرتبہ آیا تھا۔ میں ایڈی کو صرف اس کے کام کے حوالے سے جانتا تھا۔''

ڈومینگز میز کے قریب سے جھکتے ہوئے کھڑکی کے باہر جھانکنے لگا۔ اس نے دور روبی پارک کو دیکھا۔ پھر وہ گھڑی دیکھنے لگا۔ کام کا وقت ہونے والا تھا۔ اس نے سوچا۔

وکیل نے بیڈروم کی درازوں کی سب سے اوپر والی دراز کو کھولا۔ اس میں جرابوں کے کئی جوڑے تھے جن کو سلیقے کے ساتھ ایک دوسرے میں تہہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ زیر جامے، سفید باکسر شارٹس بھی موجود تھے۔ اس نے ان فالتو چیزوں کو ہٹایا تو نیچے سے چمڑے کی جلد والا ایک ڈبہ ملا جو اہم دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اس امید کے ساتھ جلدی سے اسے کھولا کہ شاید کوئی کام کی چیز ملے گی۔ لیکن اس کا منہ بن گیا۔ اس میں ایسی کوئی شے نہیں تھی۔ کوئی بینک سٹیٹمنٹ یا انشورنس پالیسی نہیں تھی۔ صرف ایک کالی بوٹائی، ایک چائنیز ریسٹورینٹ کا مینیو، پرانے کارڈز کا ایک سیٹ، فوج سے ملنے والے میڈل اور ایک خط کے علاوہ صرف ایک پولارائیڈ پرانی گھسی ہوئی تصویر تھی جس میں ایڈی بچوں کے ایک گروپ کے ساتھ کیک کے سامنے کھڑا تھا۔

''اے۔'' دوسرے کمرے سے ڈومینگز کی آواز سنائی دی۔ ''کیا تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں؟''

وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں کاغذی لفافوں کا ایک بنڈل تھا جو کچن کی دراز میں سے ملے تھے۔ ان میں کچھ کاغذات بینک کی جانب سے تھے اور کچھ ویٹرنز انتظامیہ کی جانب سے بھیجے گئے تھے۔ اٹارنی ان کاغذات میں کچھ تلاش کرنے لگا اور پھر اوپر کی جانب دیکھے بغیر بولا۔ ''ان سے کام چل جائے گا۔''

اٹارنی نے ایک بینک سٹیٹمنٹ نکالی اور اس میں موجود بیلنس کو ذہن نشین کیا اور پھر وہی ہوا جو عام طور پر اس قسم کے کاموں میں ہوتا ہے۔ اس نے کامیابی ملنے پر خود کو خاموشی کے ساتھ مبارک باد دی اور اپنے حصص، بانڈز اور ریٹائرمنٹ پلان کے تجربے کے بارے میں سوچا۔ اب وہ اس غریب کی طرح آخری ایام جینے سے تو بچ سکتا تھا جس کے پاس ایک صاف ستھرے کچن کے سوا کچھ نہیں تھا۔

جنت میں پانچویں فرد سے ملاقات

ہر جانب سفیدی، ایک دودھیا سفیدی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ کوئی زمین تھی نہ آسمان، اور نہ ہی ان دو کے بیچ کوئی افق تھا۔ بس ایک خالص اور خاموش سفیدی تھی جو اسی طرح چپ تھی جیسے خاموشی سے طلوع ہونے والے سورج کے درمیان شدید برفباری ہوتی ہے۔

ایڈی کو سفیدی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیا۔ اسے صرف اپنی سانس کی آواز سنائی دے رہی تھی یا پھر اس کی گونج تھی۔ اس نے زور سے سانس کھینچا تو اسے اس سے بھی زیادہ زور سے سانس کھینچنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سانس باہر چھوڑا تو سانس چھوڑنے کی آواز آئی۔

ایڈی نے اپنی آنکھوں کو دبا کر بند کیا۔ خاموشی اس وقت بدتر ہو جاتی ہے جب آپ کو پتہ ہو کہ یہ ٹوٹنے والی نہیں اور ایڈی یہ جانتا تھا۔ اس کی بیوی مر چکی تھی۔ وہ اسے شدت سے چاہتا تھا۔ وہ اسے چند لمحوں اور چند منٹوں تک اور محسوس کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے چند سیکنڈز تک مزید دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس تک پہنچنے یا اسے بلانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ تو اس کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرنے حتیٰ کہ اس کی تصویر بھی دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی سیڑھی سے نیچے گر چکا ہو اور نیچے کسی گڑھے میں پڑا ہو۔ اسے اپنی روح خالی محسوس ہوئی۔ اس میں کوئی دھڑکن یا نبض نہ تھی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی خلا میں ایسے لٹکا ہو جیسے کسی ہینگر میں کوئی شے لٹکی ہوتی ہے۔ جیسے اس کے اندر سے تمام پانی اور مائع نکال لیا گیا ہو۔ اسے لگا جیسے وہ وہاں کئی روز یا کئی ماہ سے معلق ہو۔ شاید ایک صدی بیت چکی ہو۔

جس واحد چیز نے اس کی آنکھیں کھولیں، وہ ایک ننھی لیکن ڈرا دینے والی آواز تھی۔ اس کی پلکیں بمشکل اوپر اٹھیں۔ وہ پہلے ہی جنت میں چار جگہوں کی سیر کر چکا تھا اور چار افراد سے مل چکا تھا۔ اگرچہ شروع شروع میں ان چاروں لوگوں سے ملاقات اسے بہت پراسرار محسوس ہوئی لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ یہ کوئی بالکل مختلف چیز تھی۔

پھر آواز کی دھمک نزدیک آنے لگی۔ اب یہ آواز پہلے سے بلند تھی۔ دفاعی جبلت کے ہاتھوں اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور اسے پتہ چلا کہ اس کا دایاں ہاتھ اس کی لاٹھی کی موٹھ کو ہی دبائے جا رہا تھا۔ اس کے بازو کی مچھلیوں پر نشانات دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی انگلیوں کے ناخن چھوٹے اور پیلے تھے۔ اس کی ننگی ٹانگوں پر گٹھیا کے سرخ سرخ دھبے تھے جو اس کی عمر کے آخری حصے میں بہت گہرے ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے گلتے ہوئے جسم کو نظر انداز کرتے ہوئے دور ایک جانب دیکھا۔ انسانی حساب سے اس کا جسم اپنے خاتمے کے بہت قریب تھا۔

اب آواز ایک مرتبہ پھر آئی۔ یہ آواز کبھی چیختی ہوئی تیز ہو جاتی اور کبھی دھڑ دھڑانے لگتی اور پھر ایک دم خاموش ہو جاتی۔ ایڈی اس آواز کو اپنے خوابوں میں سن چکا تھا اور وہ اس کے خیال سے لرز اٹھا: وہ گاؤں، آگ، سمیٹی اور یہ شور۔ پھر ایک خرخراہٹ کی آواز آئی جو پھر اسے پتہ چلا کہ اس کے اپنے حلق سے اس وقت نکلی تھی جب اس نے بولنے کی کوشش کی تھی۔

اس نے اپنے دانتوں کو دبا لیا جیسے اس آواز کو اپنے حلق سے نکلنے سے روکنا چاہتا ہو۔ لیکن آواز اسی طرح مسلسل آتی رہی جیسے کسی نے الارم لگا کر چھوڑ دیا ہو، یہاں تک کہ اس دودھیا اور بھرپور سفیدی میں ایڈی چلا اٹھا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''تم کیا چاہتے ہو؟''

اس کے ساتھ ہی آواز یوں لگا جیسے پس منظر میں چلی گئی ہو اور پھر ایک دوسری آواز سے مل گئی ہو جو ایک ڈھیلی ڈھالی اور غیر مسلسل خرخراہٹ جیسی تھی۔ جیسے کوئی بہتی ہوئی ندی ہو۔ سفیدی سکڑتی ہوئی روشنی کے ایک ننھے سے دائرے میں بدل گئی جو جھلملاتے ہوئے پانی کے اوپر چمک رہا تھا۔ ایڈی کے قدموں کے نیچے زمین نمودار ہوئی۔ اس کی چھڑی کسی سخت سطح سے ٹکرائی۔ وہ دریا کے ساتھ ایک اونچے چبوترے پر تھا جہاں تیز ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی اور ایک دھند جیسی نمی اس کی جلد کو بھگو رہی تھی۔ اس نے نیچے پانی میں دیکھا تو اسے ایک تسلی ہوئی کہ وہ جو کچھ بھی محسوس کر رہا تھا اور سن رہا تھا، وہ اصل میں یہ تھا۔ اسے اسی طرح سکون ملا جیسے کسی شخص کو اس وقت ملتا ہے جب وہ اس شک سے آزاد ہوتا ہے کہ اس کے گھر میں کوئی گھس بیٹھیا موجود نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی اپنے ہتھیار پر گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ اس نے دیکھا کہ وہ جو شور، پریشان کن آوازیں، سیٹیاں، چیخیں، خرخراہٹ

اوراس کی قسم کی دوسری جو آوازیں سن رہا تھا، وہ وہاں پر کھیلتے ہوئے لاتعداد بچوں کی تھی جو پانی کے ساتھ کھیلتے ہوئے شور مچا رہے تھے اور بچگانہ اور معصوم قہقہے لگا رہے تھے۔

کیا یہی وہ سب کچھ تھا جو مجھے خوابوں میں دکھائی دیتا تھا؟

یہ سب اس وقت کیوں؟

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

اس نے ان ننھے وجودات کو دیکھا جو اپنے معصوم کھیلوں اور انکل پچوؤں میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی چھلانگیں مار رہا تھا، کوئی اچھل کود کر رہا تھا۔ کئی بچے پانی کی بالٹیاں اٹھائے ہوئے تھے اور کچھ لمبی گھاس میں قلابازیاں لگا رہے تھے۔ اس نے وہاں پر ایک مخصوص خاموشی اور سکون محسوس کیا۔ کوئی بدتمیزی اور ہاہا کار نہیں تھی جو عام طور پر بچوں سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس نے کچھ اور ہی دیکھا۔ وہاں کوئی بالغ فرد نہیں تھا۔ حتیٰ کہ نوعمر بھی نہیں۔ یہ سب ننھے ننھے بچے تھے جن کی جلد سیاہ رنگ کی لکڑی جیسی تھی۔

پھر ایڈی کی نظر ایک سفید سنگی ستون پر پڑی۔ وہاں ایک دبلی پتلی کم عمر لڑکی ستون کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ دوسرے بچوں سے کچھ الگ کھڑی تھی اور اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی جانب لہرائے جیسے اسے آگے آنے کو کہہ رہی ہو۔ وہ جھجھکا۔ وہ مسکرائی۔ اس نے دوبارہ ہاتھ ہلایا اور سر کو جنبش دی جیسے کہہ رہی ہو، ہاں تم۔۔۔

ایڈی نے اپنی چھڑی نیچے کی تاکہ ڈھلوان راستے کو محسوس کر سکے۔ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ اپنی متاثرہ ٹانگ اور گھٹنے کے ساتھ نیچے کی جانب لڑھک گیا۔ لیکن زمین سے پاؤں چھونے سے پہلے ہوا کا ایک تیز جھونکا اس کی کمر سے ٹکرایا اور اس نے اسے اٹھا کر یک دم سیدھا کھڑا کر دیا جہاں وہی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی، جیسے نجانے کب سے اسی کے انتظار میں ہو۔

آج ایڈی کی سالگرہ ہے

وہ 51 سال کا ہے۔ ہفتے کا دن ہے۔ وہ مارگریٹ کے بغیر پہلی سالگرہ دیکھ رہا ہے۔ اس نے کاغذ کے کپ میں چائے انڈیلی اور مارجرین کے ساتھ ٹوسٹ کے دو ٹکڑے کھائے۔ مارگریٹ کے انتقال کے بعد سے اس نے اپنی سالگرہ منانی چھوڑ دی ہے۔ وہ کہتا، ''آخر مجھے وہ دن کیوں یاد دلائے جائیں؟'' اس کی سالگرہ کا اہتمام تو مارگریٹ کرتی تھی۔ وہ کیک بناتی تھی۔ دوستوں کو مدعو کرتی تھی۔ وہ ٹیفی کا ایک تھیلا ضرور خریدتی تھی اور اسے ایک ربن سے باندھ دیتی تھی۔

''میں تمہیں تمہاری سالگرہ بھولنے نہیں دوں گی۔'' وہ کہا کرتی۔

اب جبکہ اس کا انتقال ہو چکا ہے تو وہ بھی اپنے جنم دن کو بھول چکا ہے۔ کام کرتے ہوئے وہ خود کو رول کوسٹر کی بیلٹ سے باندھ لیتا ہے تو یوں لگتا ہے کوئی کوہ پیما تن تنہا پہاڑ سر کر رہا ہو۔ رات کے وقت وہ اپنے اپارٹمنٹ پر ٹی وی دیکھتا ہے۔ وہ جلد بستر پر دراز ہو جاتا ہے۔ کوئی کیک نہ مہمان۔ جب آپ خود کو عام سا سمجھتے ہوں تو ایک عام آدمی کی طرح برتاؤ کرنا بھی مشکل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہتھیار ڈالنے کی بزدلی اب ایڈی کی زات کا حصہ بن چکی ہے۔

وہ 60 سال کا ہے۔ یہ بدھ کا دن ہے۔ وہ اپنے ناشتے کا تھیلا کھولتا ہے اور سینڈوچ سے مچھلی کا ایک ٹکڑا نکالتا ہے۔ وہ اس ٹکڑے کو آنکڑے کے ساتھ لگاتا ہے اور پھر مچھلی پکڑنے والے سوراخ کے ذریعے ڈوری کو گہرے پانی میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اسے پانی کی سطح پر تیرتے دیکھا ہے۔ آخر مچھلی کا ٹکڑا پانی میں بہہ کر غائب ہو جاتا ہے۔

وہ 68 سال کا ہے۔ وہ اپنی دوا کی گولیوں کو کاؤنٹر پر پھیلا دیتا ہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ اس کا بھائی جو فلوریڈا سے کال کر رہا ہے۔ وہ اسے سالگرہ کی مبارک باد دیتا ہے۔ وہ اسے اپنے پوتے کے بارے میں بتاتا ہے۔ وہ اسے اپنی زندگی کی کچھ اور چیزوں کے بارے میں بتاتا ہے جسے ایڈی

شوبازی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔

وہ 75 سال کا ہے۔ یہ پیر کا دن ہے۔ وہ عینک لگاتا ہے اور مرمتی کاموں کی رپورٹ دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ گذشتہ رات کو کوئی شفٹ پر نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے ''سکوگلی گگلی وورم ایڈونچر'' کی بریکیں چیک کرنے کا کام نہیں ہوا تھا۔ وہ لمبا سانس بھرتا ہے اور دیوار پر لگے پیلے کارڈ کو دیکھتا ہے۔ ''جھولا مرمت کے لیے بند ہے۔''، اس پر لکھا ہوتا ہے۔ وہ اس پیلے کارڈ کو لے کر خود اس جھولے پر جاتا ہے اور اس کی بریکوں کو خود دیکھتا ہے۔

وہ 82 سال ہے۔ ایک ٹیکسی پارک کے گیٹ کے باہر آتی ہے۔ وہ دروازہ کھول کر اس کی اگلی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے اور چھڑی کو پیچھے رکھ دیتا ہے۔

''زیادہ تر لوگ تو پچھلی سیٹوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔'' ڈرائیور کہتا ہے۔

''تمہیں کوئی اعتراض؟'' ایڈی پوچھتا ہے۔

ڈرائیور کندھے اچکاتا ہے۔ ''نہیں، میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔''

ایڈی سیدھا آگے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر وہ اس کی ڈرائیونگ پر زیادہ بہتر طریقے سے نظر رکھ سکتا ہے اور یہ کہ اس نے دو سال قبل ڈرائیونگ لائسنس کے لیے درخواست دی تھی لیکن اس کی درخواست مسترد ہو گئی تھی۔

ٹیکسی اسے ایک قبرستان میں لے کر جاتی ہے۔ وہ اپنی ماں اور بھائی کی قبروں پر جاتا ہے۔ پھر وہ کچھ دیر اپنے باپ کی قبر پر رکتا ہے۔ آخر میں وہ بیوی کی قبر پر جاتا ہے۔ وہ چھڑی کا سہارا لے کر آگے کی طرف جھکتا ہے۔ وہ قبر کے کتبے کو پڑھتا ہے اور بہت سی باتوں کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ وہ ٹیفی کے بارے میں سوچتا ہے۔

''ٹیفی؟'' یہ تو اب میرے دانت باہر نکال دے گی!

لیکن اگر مارگریٹ بھی اس کے ساتھ کھاتی تو وہ بھی کھا سکتا تھا۔

آخری سبق

ننھی لڑکی جو شاید پانچ یا چھ سال کی تھی، ایشیائی دکھائی دیتی تھی۔ اس کی جلد کی رنگت دار چینی جیسی تھی جبکہ بالوں کا رنگ گہرے رنگ کے آلو بخارے جیسا تھا۔ ناک چھوٹی اور چپٹی جبکہ ہونٹ بھرپور تھے جن کے پیچھے اس کے چھوٹے چھوٹے دودھ کے دانت تھے جن کے درمیان فاصلہ تھا۔ اس کی آنکھیں نہایت قابل ذکر تھیں اور اس قدر کالی تھیں جیسے سیل کے بچے کی آنکھیں ہوں۔

ننھی بچی کی معصومانہ آنکھوں کی سیاہی دیکھنے والے کی نظروں کو بھی معصومیت سے بھر دیتی تھی۔ وہ مسکرائی اور اپنے ہاتھوں کو خوشی کے ساتھ زور سے ہلایا تو ایڈی ایک قدم آگے بڑھا تو ننھی لڑکی نے اپنا تعارف کرایا۔

''ٹالا۔'' اس نے اپنا نام بتایا اور ایسا کرتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھے۔

''ٹالا۔'' ایڈی نے دہرایا۔

وہ مسکرائی جیسے کوئی کھیل شروع ہو گیا ہو۔ اس نے اپنی کڑھائی دار قمیض کی طرف اشارہ کیا جو اس کے کندھے پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں پڑی تھی اور ندی کے پانی سے گیلی ہو رہی تھی۔

''بارو۔'' وہ بولی۔

''بارو۔''

اس نے اپنے جسم پر موجود سرخ کپڑے کو چھوا جو اس کے دھڑ اور ٹانگوں کے گرد لپٹا ہوا تھا۔

''سایا۔''

''سایا۔''

اس کے بعد اس نے ہاتھ سے بنے جوتوں کی طرف اشارہ کیا، ''باکیہ۔''، پھر پیروں میں پڑی سمندری سیپیوں کی جانب دیکھا۔ ''کبیز''، پھر بنی ہوئی بانسوں کی چٹائی جو اس کے سامنے بچھی ہوئی

تھی، ''بانیگ''، پھراس نے ایڈی کواس چٹائی پر بیٹھنے کے لیے کہا، وہ خود بھی چٹائی پر بیٹھ گئی جس سے اس کی ٹانگیں اوپری دھڑ میں چھپ گئیں۔

وہاں پر موجود کسی بچے نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ اپنے کھیل کود میں مگن تھے اور ایک دوسرے پر پانی پھینک رہے تھے اور قلابازیاں لگا رہے تھے یا دریا سے پتھر چن رہے تھے۔ ایڈی نے دیکھا کہ ایک لڑکا دوسرے لڑکے کی کمر پر اور بغلوں میں پتھر مل رہا تھا۔

''وہ اسے نہلا رہا ہے۔'' ننھی لڑکی نے کہا۔ ''جیسے ہمارے انائیں کرتی ہیں۔''

''انائیں؟'' ایڈی کے منہ سے نکلا۔

اس نے ایڈی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

''انائیں یعنی امیاں۔۔۔یعنی مائیں۔'' وہ بولی۔

ایڈی اپنی زندگی میں بہت سے بچوں کی باتیں سن چکا تھا لیکن اس ننھی لڑکی کی آواز میں وہ مخصوص ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی جو بچوں میں بالغوں سے بات کرتے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ حیران تھا کہ ان بچوں یا اس بچی نے جنت میں دریا کے کنارے کو خود چُنا تھا، یا ان کی مختصر یادوں اور مشاہدات کو مدنظر رکھتے ہوئے دریا کے کنارے کو ان کے لیے منتخب کیا گیا تھا جہاں خاموشی اور فطری مناظر کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس نے ایڈی کی قمیض کی جیب کی طرف اشارہ کیا۔ ایڈی نے بھی جیب کو دیکھا۔ یہ پائپ کلینر تھے۔

''اچھا یہ؟'' اس نے کہا اور ان کو باہر نکالتے ہوئے ایک ساتھ موڑا جیسا کہ وہ روبی پارک میں کیا کرتا تھا۔ وہ اس عمل کو دیکھنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہاتھ کپکپائے۔

''تم نے دیکھا'' وہ اسے دکھانے لگا۔ ''دیکھو یہ کتا بن گیا ہے۔''

ننھی لڑکی نے اسے ہاتھ میں لے لیا اور مسکرائی۔ یہ ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو ایڈی ہزاروں مرتبہ دیکھ چکا تھا۔

''پسند آیا؟'' ایڈی نے پوچھا۔

''تم نے مجھے جلایا۔'' وہ بولی۔

ایڈی لرز اٹھا۔ اس کے جبڑے سخت ہو گئے۔

''تم نے کیا کہا؟''

''تم نے مجھے جلایا۔ تم نے مجھے آگ لگائی۔''

اس کی آواز سپاٹ تھی۔ وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کوئی بچہ سبق دہرا رہا ہو۔

''میری امی نے کہا تھا کہ میں جھونپڑی میں اس کا انتظار کروں۔ اس نے مجھے چھپنے کے لیے کہا تھا۔''

ایڈی نے اپنی آواز کو دھیرے کیا۔ اس کے الفاظ دھیمے اور دانستہ تھے۔

''کیا؟۔۔۔ تم کس شے سے چھپ رہی تھیں؟''

اس نے پائپ کلینز سے بنے کتے کو انگلیوں میں دبایا اور دریا کے پانی میں ڈبویا۔

''سنڈالونگ۔'' وہ بولی۔

''سنڈالونگ؟''

''فوجی۔''

ایڈی کو یوں لگا جیسے الفاظ کسی تیر کی طرح اس کی زبان میں کھب گئے ہوں۔ اس کے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

فوجی

دھماکے

مورٹن

سمیٹی

کیپٹن

شعلے برسانے والے بم

''ٹالا۔۔۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''ٹالا۔'' وہ اپنا نام لیتے ہوئے مسکرا اٹھی۔

''تم یہاں جنت میں کیسے آئی؟''

ننھی لڑکی نے پائپ کلینز سے بنے کتے کو نیچے جھکایا۔

''تم نے مجھے جلایا۔ تم نے مجھے آگ لگائی۔''

ایڈی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دھاکے ہوتے محسوس ہوئے۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ سانس تیز ہو گئی۔

''تم فلپائن میں تھے۔۔۔سایہ۔۔۔اس جھونپڑے میں۔۔۔''

''امی نے کہا تھا کہ جھونپڑی محفوظ رہے گی۔ میں وہاں پر اس کا انتظار کروں۔ اس کے بعد زبردست شور ہوا۔ ہر طرف آگ لگ گئی۔ تم نے مجھے جلا دیا۔'' اس نے اپنے کندھے اچکائے۔ ''وہ جھونپڑی محفوظ نہ نکلی۔''

ایڈی نے تھوک نگلا۔ اس کے بازو کپکپا اٹھے۔ اس نے اس کی گہری اور سیاہ آنکھوں میں دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کی جیسے یہ کوئی یہ دوا ہو جس کی لڑکی کی ضرورت ہو۔ وہ مسکرائی لیکن اسکی مسکراہٹ نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا اور اس نے اپنے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں سے چھپا لیا۔ اس کے کندھے اور پھیپھڑے زیادہ متحرک ہو گئے۔ وہ تاریکی جو کئی سالوں تک اس کی زندگی پر چھائی رہی تھی اور ایک ڈراؤنا خواب بن گئی تھی، اس نے آخر کار خود کو بے نقاب کر دیا تھا۔ وہ خون اور گوشت اصلی تھا۔ وہ بچی، پیاری سی معصوص بچی، اس نے اسے قتل کیا تھا۔ اسے زندہ جلایا تھا۔ وہ جو بھی ڈراؤنے خواب دیکھتا رہا تھا، ان کا حقدار تھا۔ اس نے کچھ دیکھا تھا! آگ میں وہ سایہ! اس کے ہاتھوں ہونے والی موت! اس کے اپنے آتشیں ہاتھوں سے! آنسوؤں کا ایک سیلاب اس کی انگلیوں میں سے باہر کو پھوٹ پڑا اور اس کی روح تڑپنے لگی۔

وہ زار و قطار رونے لگا۔ اس کے اندر سے گریہ اور بین کی ایک ایسی آواز نکل رہی تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ایک ایسا گریہ جو اس کے جسم کے روئیں روئیں سے نکل رہا تھا۔ ایک ایسا گریہ جس نے دریا کے پانی میں بھی ہلچل مچا دی تھی اور جنت کی دھند آمیز ہوا کو بھی لرزا دیا تھا۔ اس کا جسم کپکپا رہا تھا اور سر جھٹکے لے رہا تھا حتیٰ کہ اس کا گریہ ایک دعائیہ انداز کے کلمات میں بدل گیا اور اس میں سے یہ اعترافی الفاظ برآمد ہونے لگے۔

''میں نے تمہیں قتل کیا۔ میں نے تمہیں قتل کیا۔''

اس کے بعد ایک سرگوشی اس کے اندر سے نکلی۔ ''مجھے معاف کر دو ننھی بچی۔''

''اے خدا، مجھے معاف کر دے۔''

''یہ میں نے کیا کر دیا؟''

''یہ میں نے کیا کر دیا؟''

وہ روتا رہا، روتا رہا حتیٰ کہ اس کے گریہ نے آنسوؤں کے سوتے خشک کر دیے اور جسم پر ایک کپکپی طاری کر دی۔ پھر اس نے خاموشی سے خود کو جھٹکا دیا۔ وہ اس چٹائی پر سیاہ بالوں والی ننھی لڑکی کے سامنے جُھک رہا تھا جو اب دریا کے کنارے پر اس کے پائپ کلینز سے بنے کتے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

ایک موقع پر جب اس کی گریہ زاری ختم ہوئی اور غم کسی قدر کم ہوا تو ایڈی نے اپنے کاندھے پر انگلیوں کی دستک سنی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ٹالا ہاتھ میں ایک پتھر لیے کھڑی تھی۔

''مجھے صاف کرو۔'' وہ بولی۔ وہ پانی میں چلی گئی اور اپنی کمر ایڈی کی جانب کی۔ اس کے بعد اس نے کڑھائی دار کپڑا ابار و اپنی کمر سے ہٹاتے ہوئے سر پر رکھ لیا۔

ایڈی دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کی کمر بُری طرح جلی ہوئی تھی۔ اس کا دھڑ اور تنگ کندھے جھلس کر سیاہ پڑے ہوئے تھے اور ان پر آبلے ہی آبلے دکھائی دے رہے تھے جن میں بھرا ہوا پانی صاف نظر آتا تھا۔ جب اس نے مڑ کر ایڈی کی طرف دیکھا تو اس کا خوبصورت اور معصوم چہرہ المناک حد تک جلا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ گرے ہوئے تھے۔ صرف ایک آنکھ کھلی تھی۔ اس کے بال غائب تھے اور صرف کچھ کچھ بال کھوپڑی سے چپکے دکھائی دیتے تھے۔ ایڈی کے لیے یہ سب دیکھنا محال ہو رہا تھا۔

''مجھے صاف کرو۔'' اس نے پتھر لہراتے ہوئے کہا۔

ایڈی خود کو بمشکل کھینچتا ہوا دریا میں لے کر گیا۔ اس نے پتھر لے لیا۔ اس کی انگلیاں کپکپائیں۔

''مجھے نہیں پتہ کیسے نہلاتے ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''میرے بچے نہیں تھے۔''

ننھی لڑکی نے اپنا جھلسا ہوا ہاتھ بلند کیا تو ایڈی نے نرمی سے اسے پکڑا اور دھیرے دھیرے پتھر اس کے بازو پر پھیرنے لگا حتیٰ کہ جلے ہوئے زخم بھرنے اور غائب ہونے لگے۔ وہ جلدی جلدی پتھر رگڑنے لگا اور زخموں کو صاف کرنے لگا۔ وہ اور تیزی سے پتھر رگڑنے لگا حتیٰ کہ اس کے جلنے کے زخم غائب ہوتے اور نئی صحت مند جلد ابھرتی گئی۔ پھر وہ پتھر کو اس کی جلی ہوئی کمر اور ننھے تنگ کندھوں اور گردن کے پچھلے حصے پر پھیرنے لگا۔ اس نے اس کے گالوں، ماتھے اور کانوں کے پچھلے حصے پر بھی پتھر رگڑا۔

وہ دوبارہ اس کی جانب جھکی اور اپنا سر اس کی ہنسلی ہڈی پر رکھا۔ اس کی آنکھیں اس طرح بند

ہونے لگیں جیسے وہ غنودگی میں جا رہی ہو۔ پھر اس کی پلکیں مزید بھاری ہونے لگیں۔ اس نے اس کے گرے ہوئے ہونٹوں اور سر پر موجود نشانات کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ کھوپڑی کی جڑوں سے اس کے گہری رنگت والے آلو بخارے جیسے صحت مند بال پھوٹنے لگے اور وہ چہرہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گیا جو اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں کی سفیدی دودھ کی طرح چمک رہی تھی۔

''میں پانچ۔۔۔'' اس نے سرگوشی کی۔

ایڈی نے پتھر نیچے کیا اور حیرانی کے ساتھ بڑبڑایا۔ ''پانچ سال؟ اوہ، تم پانچ سال کی ہو؟''

''نہیں،'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے اپنی پانچوں انگلیوں کو کھول کر اشارہ کیا۔ پھر اس نے پانچوں انگلیوں کو ایڈی کے سینے پر رکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہارا پانچواں فرد، جنت میں تمہارا پانچواں فرد۔

ایک گرم ہوا چلی۔ آنسو کا قطرہ ایڈی کے گالوں پر بہنے لگا۔ ٹالا نے اس کو یوں غور سے دیکھا جیسے کوئی بچہ گھاس میں چلتے کیڑے کو دیکھتا ہے۔

''تم اداس کیوں تھے؟'' ننھی لڑکی نے پوچھا۔

''میں اداس کیوں ہوں؟'' اس نے سرگوشی کی۔ ''یہاں پر؟''

''نہیں وہاں۔'' اس نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔

ایڈی ہچکیوں کے ساتھ رونے لگا۔ اب اس کے لیے رونا مشکل تھا جیسے اس کا سینہ خالی ہو چکا ہو۔ اس نے تمام رکاوٹیں گرا دیں۔ اب وہاں پر ایک بچے اور بالغ فرد جیسی باتیں نہیں تھیں۔ اس نے وہی کہا جو اس نے مارگریٹ کو کہا تھا، جو اس نے روبی کو کہا تھا اور جو اس نے کیپٹن اور نیلے آدمی کو کہا تھا اور سب سے بڑھ کر جو وہ خود سے کہتا تھا۔

''میں اس لیے اداس تھا کہ میں زندگی میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔ میں بے کار تھا۔ میں نے کوئی خاص کام نہیں کیا۔ میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا تھا کہ میں جہاں تھا، مجھے وہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

ننھی لڑکی نے پانی سے پائپ کلینر والا کتا نکالا۔

''کہاں پر نہیں ہونا چاہیے تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''روبی پارک میں'' وہ بولا۔

اس نے سر ہلایا۔

''میں جھولے ٹھیک کرتا تھا۔یہی میری زندگی تھی۔''اس نے ایک گہرا سانس بھرا۔''آخر کیوں؟''

''بچوں کے لیے۔''وہ کہنے لگی۔''تم بچوں کو محفوظ رکھتے تھے۔تم نے میرے لیے اچھا کیا۔''

اس نے پائپ کلینر کتے کو اپنے کپڑوں کے ساتھ رگڑا۔

''تمہیں وہاں پر ہی ہونا چاہیے تھا۔''وہ بولی۔پھر اس نے اس کی قمیض پر لکھے ہوئے ان الفاظ کی پٹی پر ہاتھ رکھا اور معصومانہ سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''ایڈی مین ٹین نس (Maintenance)۔۔۔''

ایڈی بہتے ہوئے پانی داخل ہو گیا۔اس کی کہانیوں کے پتھر اب اس کے ہر طرف تھے۔سطح سے نیچے۔ اور ہر پتھر دوسرے پتھر کو چھو رہا تھا۔اسے اپنا آپ پگھلتا ہوا اور پانی میں جذب ہوتا ہوا محسوس ہوا۔اسے یوں محسوس ہوا کہ اب اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ جنت میں ان پانچ افراد سے ملاقات کے بعد کیا ہوتا ہے۔وہ سب کچھ جان چکا تھا۔

''ٹالا۔''اس نے سرگوشی کی۔

ننھی لڑکی نے سر اٹھایا۔

''تمہیں روبی پارک کی اس ننھی لڑکی کے بارے میں کچھ علم ہے؟''ایڈی نے پوچھا۔

ٹالا نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو گھورا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا میں نے اسے بچا لیا تھا؟ کیا میں نے اسے وہاں سے کھینچ لیا تھا؟''

اس نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔''تم نے کھینچا نہیں تھا۔''

ایڈی کانپ اٹھا۔اس کا سر جھک گیا۔تو یہ اس کی کہانی کا اختتام تھا۔وہ ایک بچی کو بھی نہ بچا سکا۔

''تم نے دھکیلا تھا۔''وہ بولی۔

''دھکیلا تھا؟''اس نے حیرت سے کہا۔

''تم نے اس کی ٹانگوں کو دھکیلا تھا۔کھینچا نہیں تھا۔دھکیلا تھا۔تم نے اسے بچا لیا تھا۔''

ایڈی نے بے یقینی کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔''لیکن میں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے

ہاتھوں میں محسوس کیا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے اس کے سوا کچھ یاد نہیں۔ میں اسے دھکیل نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں محسوس کیا تھا۔"

ٹالا مسکرائی اور چلو میں دریا کا پانی لیا۔ اس نے اپنی ننھی گیلی انگلیاں ایڈی کے ہاتھ پر رکھیں۔ ایڈی کو ایک مانوس سا احساس ہوا۔

"وہ اس کے ہاتھ نہیں تھے۔" وہ بولی۔ "وہ میرے ہاتھ تھے۔ میں تمہیں جنت میں لے کر آئی۔ تمہیں محفوظ رکھا۔"

اس کے ساتھ ہی دریا کی سطح بلند ہونے لگی اور وہ اس کی کمر، سینے اور پھر کندھوں تک آ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک اور سانس لیتا، بچوں کا شور غائب ہو گیا اور وہ ایک طاقتور لیکن خاموش بہاؤ میں ڈوب گیا۔ اس کی گرفت اب بھی ٹالا کے ہاتھ پر تھی لیکن اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم اس کی روح تک ڈھل گیا ہو۔ گوشت سے لیکر ہڈیاں تک سب دھل گیا تھا۔ اس کا درد، اس کی تھکاوٹ، کمزوری اور مایوسی، اس کی ہر تکلیف، ہر زخم اور ہر تکلیف دہ یاد غائب ہو چکی تھی۔

وہ اب کچھ نہیں تھا۔ بس پانی پر بہتا ہوا ایک پتہ تھا جسے اس نے نرمی سے اٹھایا اور اسے روشنی اور سایوں میں سے گذارا۔ نیلے، سرخ، سیاہ، سفید اور عنابی رنگوں میں سے گذارا اور اسے پتہ چلا کہ یہ تمام رنگ اصل میں رنگ نہیں بلکہ اس کی زندگی کے جذبات تھے۔ اس نے اسے ایک عظیم بحر کی طاقتور موجوں میں سے گذارا اور پھر وہ ایک ناقابل تصور منظر کے درمیان ایک شاندار روشنی میں کھڑا تھا۔

وہاں ایک زبردست پارک تھا جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ ان میں عورتیں، مرد، بوڑھے، ماں، باپ اور لاتعداد بچے شامل تھے۔ لاتعداد بچے جو ماضی سے بھی تھے اور حال اور مستقبل سے بھی۔ یعنی ان میں وہ بچے بھی تھے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، ٹوپیاں اور شارٹس پہنے بورڈ واک پر بھرے ہوئے تھے یا جھولوں اور لکڑی کے پلیٹ فارمز پر تفریح کر رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے کندھوں پر بیٹھے تھے۔ ایک دوسرے کی گودوں میں بیٹھے تھے۔ وہ وہاں پر اس لیے تھے یا وہ اس لیے ہوں گے کیونکہ ایڈی نے ایک عام سا کام، اپنی زندگی میں ایک عام سا کام کیا تھا۔ اس نے بہت سے حادثات کو روکا تھا۔ جھولوں کو محفوظ رکھا تھا اور روزانہ کی بنیاد پر جھولوں کو اپنی نظر میں رکھا تھا۔ اگرچہ ان بچوں کے ہونٹ

نہیں ہل رہے تھےلیکن ایڈی نے ان کی آوازیں سن لی تھیں، یہ اس کے تصور سے زیادہ آوازیں تھیں اور پھر ایڈی کو ایک ایسا سکون اور اطمینان محسوس ہوا جس کا اسے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ٹالا کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا اور بلندی پر اٹھ رہا تھا۔ نیچے اسے پارک کی ریت، جھولے اور بورڈ واک چھوٹے ہوتے دکھائی دے رہے تھے حالانکہ وہ اتنی بلندی پر نہیں تھا۔ وہ تو ایک آسمانی جھولے کی بلندی تک پہنچا تھا جو اس کے سامنے تھا۔ یہ ایک بڑا اور سفید آسمانی جھولا تھا، جس میں ہولے ہولے جھولتے ہوئے ایک ڈبے میں زرد لباس میں ملبوس ایک عورت بیٹھی تھی۔ یہ اس کی بیوی تھی۔ یعنی مارگریٹ۔ وہ بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔ ایڈی اس کے پاس پہنچا اور اس کی مسکراہٹ کو دیکھا اور وہاں پر ابھرنے والی تمام آوازیں ایک لفظ پر مبنی آواز میں بدل گئیں جو خدا کی آواز تھی۔

گھر!!!

اختتامیہ

حادثے کے تین روز بعد روبی پارک دوبارہ کُھل گیا۔ ایڈی کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ یہ خبر ایک ہفتے تک چلتی رہی اور پھر دوسری خبروں نے اس کی جگہ لے لی جو اسی طرح کے حادثات پر مبنی تھی۔

''فریڈی فری فال'' کے نام سے مشہور جھولے کو اس سیزن کے لیے بند کر دیا گیا لیکن اگلے سال یہ جھولا نئے نام ''ڈیول ڈراپ'' کے ساتھ دوبارہ چل پڑا۔ نوجوانوں اور نوعمر افراد نے اس جھولے کو اپنی بہادری کی آزمائش کے طور پر لیا جس سے گاہکوں میں اس کی مقبولیت بڑھی اور پارک کے مالکان کو خوب منافع حاصل ہوا۔

ایڈی کا اپارٹمنٹ جہاں وہ پلا بڑھا تھا، کسی اور کو کرائے پر چڑھا دیا گیا جس نے اس کے کچن کے شیشوں کو سیاہ کاغذ سے ڈھانپ دیا تا کہ کچن میں سکون رہے اور وہ پارک کے شور شرابے سے محفوظ رہے۔ ڈومینیگز جو ایڈی کی ذمہ داریاں یعنی جاب سنبھالنے پر تیار ہوا تھا، اس نے ایڈی کے تھوڑے سے سامان کو ایک صندوق میں بھر کر مرمت کی دکان میں رکھ دیا جس میں روبی پارک کی کچھ یادگار چیزیں بشمول اس کے ابتدائی داخلی دروازے کی تصویر بھی شامل تھی۔

نکی جس کی چابی کی وجہ سے کیبل کٹ گئی تھی، اس نے گھر جا کر نئی چابی بنوالی اور چار ماہ بعد کار بھی بیچ ڈالی۔ وہ اکثر و بیشتر روبی پارک میں جاتا اور اپنے دوستوں کو فخر سے بتاتا کہ پارک کا نام اس کی پڑدادی کے نام پر رکھا گیا تھا۔

موسم آتے رہے اور موسم جاتے رہے۔ سکولوں میں جب چھٹیاں ہوتیں اور دن لمبے ہو جاتے تو لوگ بڑی تعداد میں بھورے سمندر کے کنارے پر واقع روبی پارک پہنچتے۔ اب یہ پارک اتنا بڑا نہیں تھا جتنے دیگر تھیم پارک تھے، تاہم پھر بھی خاصا بڑا تھا۔ گرمیاں آتیں تو پارک کی رونق اپنی بھرپور روح

کے ساتھ جوان ہو جاتی۔ سمندر کے کنارے پر لہروں کے ترانے گونجتے اور ہر طرف روشنیاں چمکتیں۔ لوگ وہاں پر پینگوں، آسمانی جھولوں، ٹھنڈی برفیلی آئس کریم اور کاٹن کینڈیز کے لیے بڑی تعداد میں جمع ہوتے۔

روبی پائیر پر اسی طرح قطار بندی کر دی گئی جس طرح کسی اور جگہ پر کی گئی تھی۔ پانچ لوگ منتخب یادوں میں منتظر ہیں، ننھی لڑکی ایمی یا اینی کے، یعنی وہ پھلے پھولے، اسے پیار ملے، وہ بوڑھی ہو اور پھر عالم فانی سے کوچ کرے، تاکہ اسے آخرکار ان سوالوں کے جواب ملیں کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا تھا اور اس نے کس لیے زندگی جی تھی۔ اسی قطار میں ایک باوقار بوڑھا بھی تھا جس نے لینن کی ٹوپی پہن رکھی تھی اور اس کی ناک کی ہڈی پچکی ہوئی تھی۔ اس کا نام ایڈی تھا۔ وہ ''سٹارڈسٹ بینڈشیل'' میں جنت کے راز کے اپنے حصے کی کہانی سنانے کے لیے منتظر تھا:

> کہ کیسے ہر انسان دوسرے انسان پر اثر انداز ہوتا ہے اور دوسرا تیسرے پر۔۔۔اور یہ دنیا کہانیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن اصل میں تمام کہانیاں ایک ہی کہانی کا حصہ ہیں۔